

نقشِ حقیقی

دیوانِ غالبِ مصوّر





کاپی رابٹ





غالب کے نسخہ حمیدیہ کو مد نظر رکھتے ہوئے  
میں اپنی اس کوشش کو

افتخار الملک ہرمانیس نواب حمید اللہ خان بہادر  
فرمانروائے بھوپال خلد اللہ ملکہ

کی علم دوستی و ادب نوازی کو نہایت خلوص کے ساتھ  
پیش کرتا ہوں۔

محمد عبید الرحمن پٹنائی



# استدعا

”نقش چغتائی“ کا ایک ہلکا سا خاکہ ”مربع“ کی اشاعت کے وقت میرے پیش نظر تھا جس کی تکمیل نے یہ صورت اختیار کی ہے۔ ”مربع چغتائی“ کو جو مقبولیت اور کامیابی حاصل ہوئی وہ میری امیدوں سے بہت زیادہ ہے مگر اس اہم ضرورت کی تکمیل کے لئے کہ فنون جمیل کا ذوق ہماری زندگی کا ایک جزو بن جائے ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے جس طرح ہر شعر اپنے اندر مختلف معنوی اور فنی کمال رکھتا ہے اسی طرح ہر تصویر جو حقیقتہً تصویر کہلانے کی تسخیر ہے اپنے اندر مختلف جذبات و کیفیات مضمر رکھتی ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ ایک ہی تصویر میں بہت سے شعروں کا سامان مٹینا ہوتا ہے جن کا مطالعہ حقیقت بین افراد کے اپنے اپنے ذوق پر منحصر ہے۔

غالب کے پیش نظر کوئی رنگین تصویر یا کسی شعر کی تصویری صورت نہ تھی مگر اسکو فطرت سے ایسی نظر ملی تھی جو خارجی سامانوں کی محتاج نہ تھی اور چونکہ اس کا تخیل ”لمنی“ اور غیر فانی ہے اس لئے وہ قدیم بھی ہے اور جدید بھی ہے۔

یہ اہم مقصد ہمیشہ میرے پیش نظر رہا ہے کہ اپنی تہذیب اپنے علم و ادب اور اپنی روایات کی خدمت کی جائے میری اس کوشش کا بہترین ثبوت ”مصور عمر خیام کی اشاعت“ سے ملیگا جس کے لئے میں برسوں سے کوشاں ہوں۔ غالباً یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اگر میں اسے اپنے نقطہ نگاہ کے مطابق پایہ تکمیل کو پہنچا سکا۔ تو وہ ان تمام احسانات اور قرضوں کا جواب ہوگا جن کے لئے ایشیا عمر خیام کے سلسلہ میں مدت سے مغرب کا رہن منت ہے میری کتاب ”عمر خیام“ (Book of the poet) ”نقش چغتائی“ کے بعد شایع ہو رہی ہے اس کے شایع ہو جانے کے بعد میرے سامنے عمر خیام کی نگل کے سوا اور کوئی کام نہیں۔ خدا مجھے توفیق دے کہ فن کی یہ خدمت انجام دے سکوں۔

امید ہے ”نقش چغتائی“ ”مربع“ سے بھی زیادہ وسعت نظر پیدا کریگا کیونکہ میری اس کوشش کے اغراض و مقاصد ”مربع“ سے بھی بلند اور فن کے اعتبار سے زیادہ عمیق ہیں۔

چغتائی  
۵۳۶



# آرٹ

بعض حضرات کا شیوہ ہوتا ہے کہ جب کسی جدید مصوّر کی کوئی تصویر دیکھتے ہیں تو ان دو چار چھپی ہوئی تصاویر کو جو کبھی ان کی نگاہ سے گزر چکی ہوتی ہیں۔ ذہن میں لا کر ایک مبضرائہ اور بیش و کم حقارت آمیز انداز سے فرماتے ہیں۔ اس مصوّر اور اسکی تصویروں پر جاپانی مصوّر کی کا اثر ہے۔ اہل فہم خوب جانتے ہیں کہ حقیقت اسکے برعکس ہے۔ بالکل برعکس۔ اتا مارو کی خواتین ہندوستان کی شگفتگی کی اولاد ہیں ایسی اولاد جو جاپانی لباس میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ جاپانی طریقے سے بال سنواری ہے اور جس کے اعضا میں جاپان کا طبعی سبک پن ہوتا ہے۔ اندر میں حالات کیا یہ ہندوستانی آرٹسٹوں کا قصور ہے کہ جاپانی مصوّر میں اور ان کی مصوّر میں مشابہت ہے؟ اگر کسی کی صورت اپنے نورث اعلیٰ کی صورت سے ملے تو یہ نورث اعلیٰ کا قصور کیونکر ہو سکتا ہے؟

اسی قسم کے حضرات جب چغتائی کی تصاویر دیکھتے ہیں تو فرماتے ہیں۔ چغتائی ایرانی مصوّر سے متاثر ہے۔ نادان یہ نہیں سمجھتے کہ یہ کوئی عیب کی بات نہیں۔ اور آخر چغتائی پر ایرانی اثر کیوں نہ ہو۔ چغتائی ایرانی النسل ہے۔ اس کا سلسلہ نسب ان تاتاری مغلوں سے ملتا ہے جنہوں نے ہندوستان کو اپنا مسکن بنا لیا تھا اور جنہوں نے انجام کار موتی مسجد اور تاج محل جیسی رفیع الشان عمارتیں برپا کیں۔ میں یہ نہیں کہتا



کرچمک چغتائی ایرانی النسل ہے اس لئے اس کی مصوری میں ایرانی رنگ کی موجودگی لازمی ہے  
 سو لہویں اور سترہویں صدی کے مغل آرٹ کے بعض ماہرین پکے ہندو تھے اور آجکل کے  
 بعض ہندوستانی مصور جو غیر ملکی آرٹ کی نقالیاں کرتے ہیں "پکے" کچھ بھی نہیں۔  
 لیکن چغتائی! چغتائی کی بات بالکل مختلف ہے۔ اس کے دم سے ایرانی مصوری از سر نو  
 زندہ ہو گئی ہے۔ اس مصوری میں اور اس مصوری میں فرق ہے تو صرف اتنا جو چغتائی  
 کی عظیم شخصیت اور صدیوں کی آمد و شد کی وجہ سے لازمی تھا۔

چغتائی کے تصور میں آج بھی اکبر کے پر شکوہ زمانے کا ہندوستان بستا ہے۔  
 جہاں تک آرٹ کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں چغتائی کا یہ تصور ہمارے لئے کارآمد ثابت  
 ہوا ہے۔ اگر آج ہندوستان واقعی اکبر کے زمانے کا ہندوستان ہوتا تو یقینی طور پر  
 چغتائی کوئی اور دنیا تخلیق کرتا۔ اور یہ بات دعوے سے کون کہہ سکتا ہے کہ وہ  
 نئی دنیا بھی اسی قدر حسین ہوتی جیسی خوابوں کی یہ خوبصورت دنیا ہے جو چغتائی  
 کے تخیل نے اب آباد کی ہے۔ یقینی بات صرف اس قدر ہے کہ وہ ایک نئی اور  
 مختلف دنیا بناتا ضرور کیونکہ اس کا تعلق اس پر ازرومان گروہ سے ہے جن کا روان  
 ہمیشہ ساحل دوش یا کنار فردا پر خمیہ زن ہوتا ہے۔ اس گروہ کا ایک رکن انگریز شاعر  
 کیمنس تھا جو اپنے گرد و پیش کی دنیا سے بھاگ کر اپنے تخیل کی مخلوق یعنی  
 یونانی دنیا میں پناہ گزین ہوا تھا۔

بیرون ایشیا جو چیز چغتائی کے قلم پیدا کرتی ہے وہ اس کی تصاویر کا  
 مشرقی تخیل اور فنی کمال ہے۔ اس کی تصاویر میں جو حیرت انگیز فنی کمال ہے وہ ہر  
 صاحب فہم کا دل بھاتا ہے۔ لیکن ریلز سے وہ بعد جو چغتائی نے ارادۂ اختیار  
 کیا ہے۔ ان لوگوں کے لئے باعث تشکر ہے جو اس چیز سے جس کو مرئی



حقیقت کہتے ہیں اکتا چکے ہیں اور تجزیہ کی حقیقت کے متلاشی ہیں۔ اس تجزیہ کی حقیقت کو واضح کرنا صدیوں سے مشرقی آرٹ کا مقصد اور مطمح نظر رہا ہے۔ اگر پرانے ایرانی شاہکاروں اور چغتائی کی تصویروں کو سامنے رکھ کر موازنہ و مقابلہ کیا جائے تو واضح طور پر معلوم ہو جائیگا کہ ان میں گیانگت کس حد تک ہے اور کس حد تک چغتائی نے اس جوش طبیعت سے جو ایک ایسے خلاق آرٹ کا نشان امتیاز ہوتا ہے جو اپنی روایات سے کما حقہ آگاہ ہو اپنا ذاتی کمال ایزاد کیا ہے۔ قدیم ایرانی شاہکاروں میں اور چغتائی کی تصاویر میں غزل اور ایک نازک پرسکوت توازن مشترک ہیں۔ لیکن رنگوں کا خوبصورت امتزاج خطوط کی ہم آہنگی جس کی بدولت خطوط تصویر کے خطوط نہیں رہتے بلکہ ان شاعرانہ جذبات کے جو الفاظ کی گراںباری کے شعلہ نہیں ہو سکتے۔ نقوش بن کر نگاہوں کے سامنے آجاتے ہیں۔ لباس کی تزئین و ترتیب جس کا مقصد محض انسانی جسم کو مستور یا غریباں کرنا نہیں ہوتا۔ بلکہ جو بجائے خود ایک جمالیاتی کارنامہ ہے۔ اور ساسانی عمارات کا پس منظر جو انسانی تحریک کو اس دنیا سے دور رومان اور حسن کی دنیا میں لے جاتا ہے۔ یہ تمام صفات چغتائی کی خصوصیت ہیں اور اس کی تصاویر میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔

(ترجمہ)

اسمغری صفاء



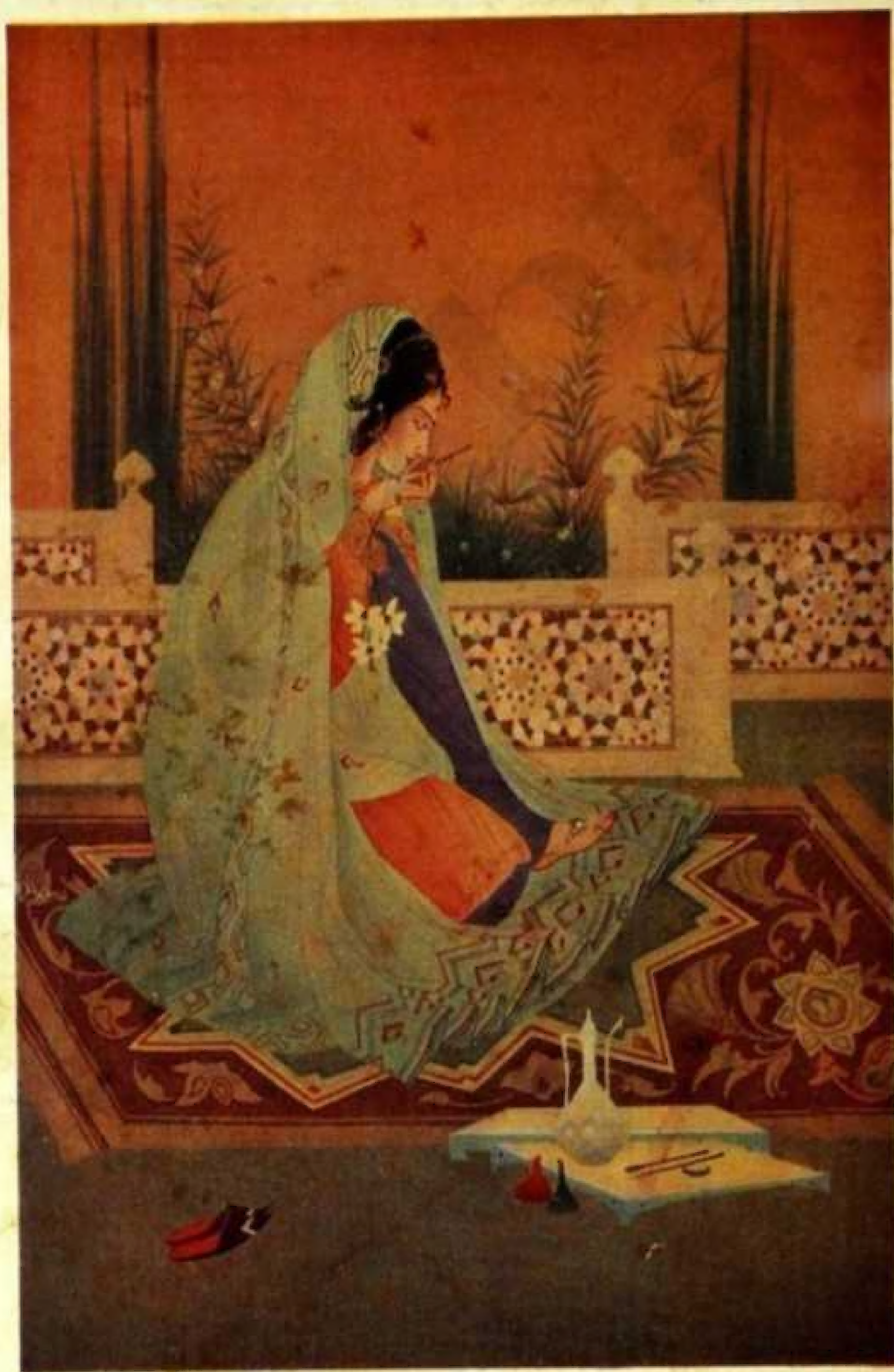


rekhta

پھونکا ہے کس نے گوشِ مجتبیٰ میں اسے خدا  
افسونِ منتظرِ ایتنا کہیں چسے









# غزلیات

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تخیر کا  
کاغذی ہے پیر بن ہر پیکرِ تصویر کا  
کا و کا و سخت جانیں ہائے تنہائی نہ پوچھ  
صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا

جذنبے اختیارِ شوق دیکھا چاہئے      سینہ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا

آگہی دامنِ شنیدن جس قدر چاہے بچھائے  
مذہعِ عفتا ہے اپنے عالمِ نقشِ ریر کا  
بسکہ ہوں غالبِ اسیری میں بھی آتشِ زیرِ پا  
مُوے آتشِ دیدہ ہے حلقہ مری زنجیر کا



جُز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار  
 آشفگی نے نقش سوید کیا درست  
 تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ  
 لیتا ہوں مکتب غم دل میں سبق ہنوز  
 خجانیہ کفن نے داغ عیوب بربہنگی  
 تیشے بغیر مر نہ سکا کوہن اسد  
 کہتے ہونہ دیجئے ہم دل اگر پڑ پایا  
 عشق سے طبیعت نے زیت کارنایا  
 دوستدار دشمن ہے اعتماد دل معلوم  
 سادگی و پُرکاری بخودی ہوشیاری  
 غنچہ پھر لگا کھلنے آج ہم نے اپنا دل  
 حال دل نہیں معلوم لیکن اس قدر مینی  
 شور پند ناصح نے زخم پر نمک چھڑکا  
 دل مرا سوزِ نہاں سے بے محابا جل گیا  
 دل میں ذوقِ وصل و یارِ تیک باقی نہیں  
 میں عدم سے بھی پرے ہوں در نہ غافل بارہا  
 عرض کیجئے جو ہر اندیشہ کی گرمی کہاں  
 دل نہیں تجھ کو دکھاتا در نہ داغوں کی بہار  
 میں ہوں اور افسردگی کی آرزو غالب کر دل

صحرانگر بہ تنگی چشم سود تھا  
 ظاہر ہوا کہ داغ کا سرمایہ دود تھا  
 جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں تھا نہ سود تھا  
 لیکن یہی کہ رشت گیا اور بود تھا  
 میں در نہ ہر لباس میں ننگ و جود تھا  
 سرشتیہ حسرت سار رسوم و قیود تھا  
 دل کہاں کہ گم کیجے ہم نے ہمتا پایا  
 درد کی دوا پانی درد بے دوا پایا  
 آہ بے اثر دیکھی نالہ نارسا پایا  
 حسن کو تغافل میں خیرات آزمایا  
 خوں کیا ہوا دیکھا گم کیا ہوا پایا  
 ہم نے بارہا ڈھونڈھا تم نے بارہا پایا  
 آپ سے کوئی پوچھے تم نے کیا مر پایا  
 آتش خاموش کے مانسہ گویا جل گیا  
 آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا  
 میری آہ آتشیں سے بالِ عتقا جل گیا  
 کچھ خیال آیا تھا دشت کا کہ صحرا جل گیا  
 اس چراغاں کا کہ کروں کیا کار فرما جل گیا  
 دیکھ کر کھنسر نہ تپا کہ ابلیس جل گیا



شوق ہر رنگ رقیب سرو سامان نکلا  
 زخم نے داد نہ دی تنگی دل کی یارب  
 بوئے گل نالہ دل دود چرخ محفل  
 دل حسرت زدہ تھا ماندہ لذت درد  
 ہے نو آموز فنا ہمت و شوارپند  
 دل میں پھر گریہ نے ک شور اٹھایا غالب  
 دھکی میں مر گیا جو نہ باپ نبرد تھا  
 تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا  
 تالیف نغمہ بے وفا کر رہا تھا میں  
 دل تاباں کر سہل دریائے خوں ہے لب  
 جاتی ہے کوئی کشمکش اندہ عشق کی  
 اجاب چارہ سازی وشت نہ کر سکے  
 یہ لاش بے غن اسد خستہ جاں کی ہے  
 دہر میں نقش وفادہ خیر تسلی نہ ہوا  
 سبز خط سے ترا کا کل سرکش نہ دیا  
 میں نے چاہا تھا کہ اندہ وفا سے چھوٹوں  
 دل گزر گاہ خیال مے و ساغری سہی  
 ہوں ترے وعدہ نہ کرنے پہ بھی رنجی کہ بھی  
 کس سے محرومی قسمت کی شکایت کیجیے ۱۰  
 قیس تصویر کے پردے میں بھی غریاں نکلا  
 تیر بھی سیدہ بسمل سے پرائشاں نکلا  
 جو تری بزم سے نکلا سو پریشان نکلا  
 کام یاروں کا بقدر لب و دندان نکلا  
 سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آسان نکلا  
 آہ جو قطرہ نہ نکلا تھا سو طوفان نکلا  
 عشق نبرد پیشہ طلبگار مرد تھا  
 اڑنے سے پیشتر بھی مرا رنگ زرد تھا  
 مجھ کو دخیال ابھی فرد فرد تھا  
 اس رہگذر میں جلوہ گل آگے گرد تھا  
 دل بھی اگر گیا تو وہی دل کا درد تھا  
 زندان میں بھی خیال بیاباں نور تھا  
 حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا  
 ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندہ معنی نہ ہوا  
 یہ زمرہ بھی حریف دم افنی نہ ہوا  
 وہ شکر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا  
 گرفتار جاوہر منزل تقویٰ نہ ہوا  
 گوش منت کش گلاباںک تسلی نہ ہوا  
 ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں سو وہ بھی نہ ہوا



مرگیا صد رنگ جنبش لب سے غالب  
 ستائش گر ہے ناہ اس قدر بس باغ رضواں کا  
 بیاں کیا کیجیے بیدار کا وہ شہما نے مڑگاں کا  
 نہ آئی سلطنت قاتل بھی مانع میرے نالوں کو  
 دکھاؤں گا تماشا دی اگر فرصت زمانے نے  
 کیا آئینہ خانے کا وہ نقشہ تیرے جلوہ نے  
 مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی  
 آگاہ ہے گھر میں ہر سو ہنر ویرانی تماشا کر  
 خموشی میں نہاں غم کشتہ لاکھوں آرزو میں  
 ہنوز اک پر تو نقش خیال یار باقی ہے  
 بٹل میں غیر کی آج آپ سوتے ہیں کہیں درند  
 نہیں معلوم کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا  
 نظر میں ہے ہماری جاوہ راو فنا غالب  
 محرم نہیں ہے تو ہی نوا اے راز کا  
 رنگ شکستہ صبح بہار نظارہ ہے  
 تو اور سونے غیر نظر اے تیز تیز  
 صرف ہے ضبط آہ میں میرا ورنہ نہیں  
 ہیں بسکہ جوش باد سے شیشے اچھل رہے  
 کاوش کا دل کرے بے تقاضا کہ ہے ہنوز

ناتوانی سے حریف دم عین نہ ہوا  
 وہ اک گھلتے ہے ہم بخودوں کے طاق لیاں کا  
 کہ ہر اک قطرہ خون دانہ ہے تسبیح مرجاں کا  
 لیا دانتوں میں جو تینکا ہوا ریشہ نیستاں کا  
 مرا ہر داغ دل اک تھم ہے سرور چراغاں کا  
 کرے جوں پر تو خورشید عالم بہشتاں کا  
 بیولے برق خرمن کا ہے خون گرم دہقان کا  
 ہزاراب کھودنے پر گھاس کے ہے میرے دریاں کا  
 چراغ مژدہ ہوں میں بے زباں گوہر غریباں کا  
 دل افسردہ گویا مجھو ہے یوسف کے زنداں کا  
 سبب کیا خواب میں آکر تبسم اے پشیاں کا  
 قیامت ہے سرشک آلودہ ہونا تیری مڑگاں کا  
 کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجزائے پریشاں کا  
 یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا  
 یہ وقت ہے شگفتہ گلہاں ناز کا  
 میں اور دکھ تری مژدہ اے دراز کا  
 طعم ہوں ایک ہی نفس جاگداز کا  
 ہر گوشہ بسا ہے سرشیش باز کا  
 ناخن پستہ رض اس گرم نیم باز کا



تاراج کاوش غم بھراں ہوا اسد  
 بزم شاہنشاہ میں اشعار کا دفتر کھلا  
 شب ہوئی پھر انجم خشنده کا منظر کھلا  
 گرچہ ہوں دیوانہ پر کیوں دوست کا کھاؤں فریب  
 گو نہ سمجھوں اُس کی باتیں گو نہ پاؤں اُس کا بھید  
 ہے خیال حسن میں حسن عمل کا سا خیال  
 منہ نہ کھلنے پر ہے وہ عالم کو دیکھا ہی نہیں  
 در پر رہنے کو کہا اور کہ کے کیسا پھر گیا  
 کیوں اندھیری ہے شب غم ہے بلاؤں کا نزول  
 کیا رہوں غربت میں خوش جب ہو جواہر کا یہ حال  
 اُسکی امت میں جوں میں میرے رہیں کیوں کام بند  
 شب کہ برق سوز دل سے زہرہ ابراب تھا  
 واں کرم کو عذر بارش تھا عناں گیر خرام  
 واں خود آرائی کو تھا موتی پروئے کا خیال  
 جلوہ گل نے کیا تھا واں چہاں آب جو  
 یاں سر پر شور و زنجالی سے تھا دیوار جو  
 یاں نفس کرتا تھا روشن شمع بزم بخودی  
 فرش سے تاعثر اُن طوفاں تھا مچ رنگ کا  
 ناگمان اُس رنگ سے کوئی نہ بچکانے لگا ۱۹

سینہ کہ تھا دھیس نہ گہرا ہے راز کا  
 رکھو یا رب یہ در گنجینہ گو ہر کھلا  
 اِس تکلف سے کہ گویا بتکدے کا در کھلا  
 آستین میں دشنہ پنہاں ماتھ میں خنجر کھلا  
 پر یہ کیا کم ہے کہ مجھ سے وہ بری سپیکر کھلا  
 خلد کا اک در ہے میری گور کے اندر کھلا  
 زلف سے بڑھ کر نقاب اُس شوخ کے منہ پر کھلا  
 جتنے عرصے میں مرا لپٹا ہوا بس تر کھلا  
 آج اُدھر ہی کو رہے گا دیدہ افسر کھلا  
 نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ برا کٹر کھلا  
 واسطے جس شہ کے غالب گنبد ہے در کھلا  
 شعلہ ہوا ہر اک سلسلہ گرداب تھا  
 گریہ سے یاں پیو بالمش کن سیلاب تھا  
 یاں بجوم اشک میں تازہ گدایا ب تھا  
 یاں رداں شرکین چشم تر سے خون ناب تھا  
 واں وہ فرق ناز و مخو بالمش کخواب تھا  
 جلوہ گل واں بساط صحبت بجا ب تھا  
 یاں میں سے آسمان تک سوختن کا باب تھا  
 دل کہ ذوق کا وثر ناخن سے لذت یاب تھا



نالہ دل میں شب اندازِ اثر نایاب تھا  
 مقدم سیلابیے دل کیا نشاط آبنگے  
 نازشیں ایامِ خاکستر نشینی کیا کہوں  
 کچھ نہ کی اپنے جنونِ نارسا نے ورنہ یاں  
 آج کیوں پروا نہیں اپنے امیروں کی تجھے  
 یاد کرو وہ دن کہ ہر اک حلقہ تیرے دام کا  
 میں نے روکا راتِ غالب کو ورنہ دیکھتے  
 ایک ایک قطرہ کا مجھے دینا پڑا حساب  
 اب میں ہوں اور ماتم یک شہرِ آرزو  
 گلیوں میں میری بخش کو کھینچے پھر کر میں  
 منجھ سربِ دشتِ وفا کا نہ پوچھا حال  
 کم جانتے تھے ہم بھی غمِ عشق کو پڑا اب  
 بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آسنا ہونا  
 بگریہ چاہے ہے خرابی مرے کاشانے کی  
 واسے دیوانگی شوق کہ ہر دم مجھ کو  
 جلوہ از بسکہ تقاضائے نگہ کرتا ہے  
 عشرتِ قتل گر اہلِ تمناست پوچھ  
 لے گئے خاک میں ہم دافعِ تمنائے نشاط  
 عشرتِ پارہ دل زخیم تمنا کھانا ۲۰

تھا پسند بزمِ وصل غیر گو بے تاب تھا  
 غاۓ عاشق مگر سازِ صداۓ آب تھا  
 پہلو نے اندیشہ وقتِ بسترِ سنجاب تھا  
 ذرہ ذرہ رُوحِشِ خورشیدِ عالِتاب تھا  
 کل تک تیرا بھی دل مہر و وفا کا باب تھا  
 انتظارِ صید میں اک دیدہ بے خواب تھا  
 اُس کے سیلِ گریں میں گردوں کفِ سیلاب تھا  
 خونِ جگر و دعبتِ مرگ کا بنِ یار تھا  
 توڑا جو تو نے آئینہ تماشا لڑ تھا  
 جاں دادہ ہواۓ سر رہگذار تھا  
 ہر ذرہ شل جو مسرتِ تیغِ آبدار تھا  
 دیکھا تو کم ہوئے چشمِ روزگار تھا  
 آدمی کو بھی میسر نہیں آسنا ہونا  
 در و دیوار سے ٹپکے ہے بیاہاں ہونا  
 آپ جانا اُدھر اور آپ ہی حیراں ہونا  
 جو ہر آئینہ بھی چاہے ہے مرگ کا ہونا  
 عیدِ نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا  
 تو ہو اور آپ بعدِ رنگِ گلستاں ہونا  
 لذتِ ریشِ جگر غرقِ نسکہاں ہونا



نظف خرام ساقی و ذوق صدائے پند  
یہ بہشت نگاہ و دہرہ سحر گوشت ہے









کی مرے قتل کے بعد اُس نے جنا سے توبہ  
 جیٹ اُس چار گره کپڑے کی قسمت غالب  
 شبِ غمِ شوقِ ساقی رنجِ اندازہ تھا  
 یک قدمِ وحشتِ دریں دفترِ امکان کھلا  
 مانعِ وحشتِ خرامی اُسے لیلیٰ کون ہے  
 پوچھت رسوائی اندازِ استغنائے حسن  
 نالاول نے دیئے اور ان کفایتِ دلِ بباد  
 ۱۰ دوستِ غمخواری میں میری سی فرمائینگے کیا  
 بے نیازی حد سے گزری بندہ پرور کب تک  
 حضرتِ ناصح گرائیں دیدہ و دل فرس راہ  
 رنج و اس تیج و کفنِ باندھے جوئے جاتا ہوں نہیں  
 گر کیا ناصح نے ہم کو قیاسِ انجائیوں سی  
 خانہ زادِ زلفِ ہیں زنجیر سے بھائیگے کیوں  
 ہے اب اس مہر میں قہرِ غمِ الفتِ اسد  
 یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا  
 ترے وعدے پر بیٹھے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا  
 تری ناز کی سے جانا کہ بندھا تھا عند بودا  
 کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیر نیکش کو  
 یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوستِ ناصح ۱۵  
 اے اُس زود پیشیاں کاپشیاں ہونا  
 جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا  
 تاجِ بیداد و صورتِ خانہِ خیازہ تھا  
 جادہ اجڑائے دو عالمِ وحشت کا شیرازہ تھا  
 خانہِ مجنونِ صحر اگر دے دروازہ تھا  
 دستِ مرہونِ حمار خسار رہنِ خانہ تھا  
 یادگارِ نارِ اک دیوان بے شیرازہ تھا  
 زخم کے بھرنے تک ناخن نہ بڑھائیگے کیا  
 ہم کیونگے حالِ دل اور آپ فرمائینگے کیا  
 کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھائیگے کیا  
 عذر میرے قتل کرنے میں وہ اب لائیگے کیا  
 یہ مجنونِ عشق کے اندازِ چٹ جائینگے کیا  
 ہیں گزقار و فاذلہاں سے گھبرائیگے کیا  
 ہم نے یہ مانا کہ دلی میں ہیں کھائیگے کیا  
 اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا  
 کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا  
 کبھی تو نہ توڑ سکتا اگر استوار ہوتا  
 یہ غلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا  
 کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا



رگ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا  
 غم گرچہ چاہاں گسل ہے یہ کمان بھوس کہ دل ہے  
 کون کس سے میں کہ کیا ہے شب غم ابھی با ہے  
 ہونے مر کے ہم جو رنوا ہونے کیوں فرق دریا  
 اُسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا  
 یہ مسائل تصوف۔ یہ ترا بیان غالب  
 ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا  
 تہا بل پیشی سے نہ عا کیا  
 غوازش اے یہ مجاہد کستا ہوں  
 نگاہ بے محابا چاہتا ہوں  
 فردغ شعلہ نفس یک نفس ہے  
 نفس ہون ٹھٹھ بے خودی ہے  
 دماغ عطردہ براہن نہیں ہے  
 دل ہر قطرہ ہے سازنا البحر  
 محابا کیا ہے۔ میں ضامن۔ ادرکھ  
 سن اے غارت گر جنس وفا سن  
 کیا کس نے جگر داری کا دعوئے  
 یہ قاتل وعدہ صبر نزا کیوں  
 بلائے جاں ہے غالب اُس کی ہر بات

چنے غم بھر رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا  
 غم عشق مگر نہ ہوتا غم روزگار ہوتا  
 بھگے کیا بُرا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا  
 نہ کہی جسنا زہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا  
 جو ڈوٹی کی جو بھی ہوتی تو کہیں دو چار ہوتا  
 تجھے ہم دل بھگے جو نہ باوہ خوار ہوتا  
 نہ ہو مرنا تو جیسے کا مرنا کیا  
 کہاں تک اے سراپا ناز کیا گیا  
 شکایت اے رنگیں کا بگھا کیا  
 تغافل اے مستکیں آنا کیا  
 ہوس کو پاس تا موس وفا کیا  
 تغافل اے ساق کا بگھا کیا  
 غم آوارگی اے صبا کیا  
 ہم اُس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا  
 شہیدانِ جگہ کا خوں بہا کیا  
 شکستِ قیمتِ دل کی صدا کیا  
 شکیبِ خاطر عاشق بھلا کیا  
 یہ کافر فتنہ طاقتِ ربا کیا  
 جبارت کیا۔ اشارت کیا۔ ادا کیا



درخوہ قمر و غضب جب کوئی ہمسائہ ہوا  
 بندگی میں بھی وہ آزادہ و خود ہیں کہ ہم  
 سب کو مقبول ہے دعویٰ تری یکتائی کا  
 کم نہیں نازشیں ہنایاں چشمِ خوباں  
 سینہ کا داغ ہے وہ ناکہ کہ لب تک نہ گیا  
 نام کا میرے ہے جو دکھ کہ کسی کو نہ ملا  
 ہر جن ٹو سے دم ذکر نہ ٹپکے خونِ ناب  
 قطرہ میں دجلہ دکھائی ندے اور جزیرِ گل  
 تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑینگے پرزے  
 پئے نذرِ گرم تحفہ ہے شرمِ نارسانی کا  
 نہ ہو حُسنِ تماشا دوستِ رُسوا، یوفائی کا  
 زکوۃ حسن سے اے جلوہ بینش کہ مہرِ سا  
 نہ مارا جان کر بے جرمِ غافل تیری گردن پہ  
 تنائے زباں ہو پاس بے زبانی ہے  
 دُبی اک بات ہے جو بیاں نفسِ دلِ محنت گل ہے  
 دہانِ ہریت پیغارہ جو زنجیرِ رسوائی  
 نہ مے نامے کو اتنا طول غالب مختصر کہ مے  
 گر نہ اندوہ شبِ فرقت بیاں ہو جائیگا  
 زہرہ گر ایسا ہی شامِ حیرت ہوتا ہے آب ۱۰

پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا  
 اُلٹے پھر اُنے در کبیدہ اگر دا نہ ہوا  
 ردِ برد کوئی بُتِ آئینہ ریسائے ہوا  
 تیرا بیستار بُرا کیا ہے گر اچھا نہ ہوا  
 خاک کا رزق ہے وہ قطرہ کہ دریائے ہوا  
 کام میں میرے ہے جو فتنہ کہ برپا نہ ہوا  
 حمزہ کا قصہ ہوا عشق کا چرچا نہ ہوا  
 کھیل لڑکوں کا ہوا دیدہ بیسائے ہوا  
 دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشائے ہوا  
 بخونِ غلیظہ صد رنگ دعویٰ پارسانی کا  
 بہ مہرِ صد نظر ثابت ہے دعویٰ پارسانی کا  
 چلیغِ خانہ درویش ہو کا سہ گداہی کا  
 رہا ماندِ خون بے گنہ حقِ آشنائی کا  
 مشا جس سے تقاضا شکوہِ بیدست پائی کا  
 چمن کا جلوہ باعث ہے مری نگینِ فانی کا  
 عدم تک بے وفا چرچا ہے تیری یوفائی کا  
 کہ سرِ سنج ہوں عرضِ تہمائے جدائی کا  
 بے تکلف داغِ مہرِ دہاں ہو جائیگا  
 پر تو متا سبیلِ خانساں ہو جائیگا



لے توں سوتے میں اُس کے پاؤں کا بوسہ مگر  
 دل کو ہم صرف وفا سمجھے تھے کیا معلوم تھا  
 سب کے دل میں ہے جگہ تیری جو تُو رہی ہوا  
 گر نگاہ گرم فرماتی رہی تسلیم ضبط  
 بلغ میں مجھ کو نہ لے جاوے میرے حال پر  
 دائے گر میرا ترا انصاف محشر میں نہ ہو  
 فائدہ کیا سوچ آخر تو بھی دانا ہے اسد  
 اسد ہم وہ جنوں جواں گدائے بے سرو پایاں  
 دردِ منت کشیں دوا نہ ہوا  
 جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو؟  
 ہم کہاں قسمت آزمانے جائیں  
 کتنے شیریں ہیں تیرے لبِ کَرِیب  
 ہے خبر گرم اُن کے آنے کی  
 کیا وہ نمود کی حسدائی تھی؟  
 جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی  
 زخمِ گردِ ب گیا لہو نہ تھمتا  
 رہزنی ہے کہ دستانی ہے!  
 کچھ تو پڑھئے کہ لوگ کہتے ہیں  
 جگہ ہے شوق کو دل میں بھی تنگی جا کا

ایسی باتوں سے وہ کافر بدگماں ہو جائیگا  
 یعنی یہ پہلے ہی نذرِ اتحساں ہو جائیگا  
 مجھ پر گویا اک زمانہ مہرباں ہو جائیگا  
 شعلہ خس میں جیسے خوں گدیں نہاں ہو جائیگا  
 ہر گل تر ایک چشمِ خونِ نفاں ہو جائیگا  
 اب تلک تو یہ توقع ہے کہ وہاں ہو جائیگا  
 دوستی ناداں کی ہے جی کا زیاں ہو جائیگا  
 کہ ہے سرِ چنبرِ مرگاہن آہو پشتِ خار اپنا  
 میں نہ اچھا ہوا بُرا نہ ہوا  
 اک تماشا ہوا بگھانا ہوا  
 تو ہی جب خنجرِ آزمانہ ہوا  
 گالیاں کھا کے بے مزا نہ ہوا  
 آج ہی گھر میں بوریانا ہوا  
 بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا  
 حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا  
 کامِ گرِ رُک گیا روا نہ ہوا  
 لے کے دلِ دستاں روا نہ ہوا  
 آج غالب غزلِ سرا نہ ہوا  
 گھر میں نہ ہوا اضطرابِ دریا کا



یہ جانتا ہوں کہ تو اور پاسخ مکتوب  
 خانے پائے خزاں ہے ہمارا اگر ہے بھی  
 غم فراق میں تکلیف سیر باغ نہ دو  
 ہنوز محرمی حسن کو ترستا ہوں  
 دل اُس کو پہلے ہی ناز واداسے مے میٹھے  
 نہ کہ کہ گر یہ بقدر حسرت دل ہے  
 فلک کو دیکھ کے کرتا ہوں سکویا داسد  
 قطرہ نے بسک حیرت سے نفس پرور ہوا  
 اعتبار عشق کی خانہ خرابی دیکھنا  
 جب بقریب سفاریا نے محل باندھا  
 اہل بینش نے ہجرت کدہ شوخی ناز  
 یاس و اُتید نے یک عربہ سیداں مانگا  
 نہ بندھے تشنگی ذوق کے مضمون غالب  
 میں اور بزم مے سے یوں تشنہ کام آؤں  
 ہے ایک تیر جس میں دو نوچھدے پڑے ہیں  
 در ماندگی میں غالب کچھ بن پڑے تو جانوں  
 گھر ہمارا جو نہ روتے بھی تو دیراں ہوتا  
 تنگی دل کا بگڑ کیا یہ وہ کا فردل ہے  
 بعد یک عمر ورع بار تو دیتا بارے ۲۹  
 کاش رضواں ہی دریا کا دریاں ہوتا  
 مگر ستمزدہ ہوں ذوق خامہ فرسا کا  
 دوام کلفت خاطر ہے عیش دنیا کا  
 مجھے دماغ نہیں خندہ مائے بیجا کا  
 کرے ہے ہر بن ہو کام چشم بینا کا  
 ہیں دماغ کہاں حسن کے تقاضا کا  
 مری نگاہ میں ہے جمع و خرچ دریا کا  
 جفا میں اُس کی ہے انداز کار فرما کا  
 خط جام نے سراسر رشتہ گوہر ہوا  
 غیر نے کی آہ لیکن وہ تھا مجھ پر ہوا  
 تپش شوق نے ہر ذرہ پہ اک دل باندھا  
 جو ہر آئینہ کو طوطی بسمل باندھا  
 عجز بہت نے طلسم دل سائل باندھا  
 گرچہ دل کھول کے دریا کو بھی ساحل باندھا  
 گر میں نے کی تھی تو پستی کو کیا ہوا تھا؟  
 وہ دن گئے کہ اپنا دل سے جگر جدا تھا  
 جب رشتہ بے گرہ تھا ناخن گرہ کشا تھا  
 بحر گر بجس نہ ہوتا تو بیا باں ہوتا  
 کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشاں ہوتا  
 کاش رضواں ہی دریا کا دریاں ہوتا



نہ تھا کچھ تو خدا تھا۔ کچھ نہ ہوتا۔ تو خدا ہوتا  
 ہو واجب غم سے یوں جس تو غم کیا سر کے کئے کا  
 ہوئی مذت کہ غالب مر گیا۔ پر یاد آتا ہے  
 یک ذرہ زمیں نہیں بیکار باغ کا  
 بے مئے۔ کسے ہے طاقت آشوب آگہی  
 بلبل کے کار و بار پہ نہیں خندہ ہائے گل  
 تازہ نہیں ہے نشہ و فکر سخن مجھے  
 سو بار بند عشق سے آزاد ہم ہوئے  
 بے خون دل ہے چشم میں موجِ نغمہ غبار  
 باغ شگفتہ تیرا۔ بساط نشاطِ دل

وہ مری چین جہیں سے غم پہناں بھھا  
 یک الف بیشش نہیں۔ صیقل آئینہ ہنوز  
 شرح اسباب گرفتاری خاطر مست پوچھ  
 بدگمانی نے نہ چاہا اُسے سرگرم خرام  
 عجز سے اپنے یہ جانا کہ وہ بد خو ہوگا  
 سفر عشق میں کی ضعف نے راحت طلبی  
 تھا گریزاں مژدہ یار سے دل تادم مرگ  
 دل دیا جان کے کیوں اُس کو وفادار اسد  
 پھر مجھے دینے تر یاد آیا

ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا  
 نہ ہوتا گردِ جُدا تن سے تو زانو پر دھرا ہوتا  
 وہ ہر اک بات پر کہنا۔ کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا  
 یاں جادہ بھی قید ہے لالہ کے داغ کا  
 کھینچا ہے عجزِ حوصلہ نے خطایاغ کا  
 کہتے ہیں جس کو عشقِ ظلل ہے داغ کا  
 تریا کی مستدیم ہوں دو درخ کا  
 پر کیا کریں۔ کہ دل ہی عدو ہے فراغ کا  
 یہ سیکدہ خراب ہے مے کے سُلاغ کا  
 ابر بہار۔ عتکدہ کس کے داغ کا

رازِ مکتوب بہ بے ربطی عنوان بھھا  
 چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں بھھا  
 اس قدر تنگ ہوا دل کہ میں زنداں بھھا  
 رخ پہ ہر قطرہ عسرق دیدہ حیراں بھھا  
 نبضِ خس سے تپشِ شعلہ سوزاں بھھا  
 ہر قدم سایہ کو میں اپنے شبتاں بھھا  
 دفع پیکانِ قضا اس قدر آساں بھھا  
 غلطی کی کہ جو کافر کو مُسلاں بھھا  
 دل جگر تشنہ فریاد آیا



دم لیا تھا نہ قیامت نے بنوڑ  
 سادگی مائے تمنا - یعنی  
 غدروا ماندگی - اے حسرتِ دل  
 زندگی یوں بھی گزر رہی جاتی  
 کیا ہی رضواں سے لڑائی ہوگی  
 آہ - وہ جڑا ست فریاد کہاں  
 پھر تے کوچہ کو جاتا ہے خیال  
 کوئی دیرانی سی دیرانی ہے  
 میں نے مجنوں پر لڑکپن میں سد  
 ہوئی تاخیر - تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا  
 تم سے بجا ہے مجھے اپنی تباہی کا گلہ  
 تو مجھے بھول گیا ہو تو پتہ بتلا دوں  
 قید میں ہے ترے جی کو وہی زلف کی یاد  
 بجلی اک کو نہ گئی آنکھوں کے آگے تو کیا  
 یوسف اسکو کھوں اور کچھ نہ کہے! خیر ہوئی  
 دیکھ کر غیر کو ہو کیوں نہ کلیجہ ٹھسدا؟  
 ہمیشہ میں عیب نہیں رکھے نہ فریاد کو نام  
 ہم تھے مرنے کو کھڑے پاس نہ آیا نہ سہی  
 پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق ۳۱

پھر ترا وقت سفر یاد آیا  
 پھر وہ نیرنگِ نظر یاد آیا  
 نالہ کرتا تھا - جسک یاد آیا  
 کیوں ترا راہ گزر یاد آیا  
 گھر ترا حسلہ میں گری یاد آیا  
 دل سے تنگ آکے جگر یاد آیا  
 دل گم گشتہ مسکری یاد آیا  
 دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا  
 سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا  
 آپ آتے تھے - مگر کوئی غماں گیر بھی تھا  
 اُس میں کچھ شائبہ خوبی تقدیر بھی تھا  
 کبھی فراق میں تیرے کوئی پنجر بھی تھا  
 ہاں کچھ اک رنج گراںباری زنجیر بھی تھا  
 بات کرتے کہیں لب تشہ تقریر بھی تھا  
 گر بگڑ بیٹھے تو میں لائق تعزیر بھی تھا  
 نالہ کرتا تھا - ولے طالب تاثیر بھی تھا  
 ہم ہی آشفۃ سروں میں وہ جواں میر بھی تھا  
 آخر اُس شوخ کے ترکش میں کجی تیر بھی تھا  
 آدمی کوئی ہمارا دم تحسیر بھی تھا



ریتختے کے نہیں استاد نہیں ہو غالب  
 لب خشک درخشنگی مردگان کا  
 ہرنا اسیسہ می ہنسہ بگمانی  
 تو دوست کسی کا بھی ستگر نہ ہوا تھا  
 پھوڑا بہ غشب کی طبع دست قضا نے  
 توفیق باندہ ازو ہمت ہے ازل سے  
 جب تک کہ نہ دیکھا تھا قدیار کا عالم  
 میں سادہ دل آزر دگنی یار سے خوش ہوں  
 دریاے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک  
 جاری تھی اسد داغ جگر سے مرے تحصیل  
 شب کہ وہ مجلس فروز خلوت ناموس تھا  
 مشہد عاشق سے کوسوں تک جو لگتی ہے حنا  
 حاصل الفت نہ دیکھا جز شکت آرزو  
 کیا کہوں بیماری غم کی فراغت کا بیان  
 آئندہ دیکھ اپنا سامنے لے کے رہ گئے  
 قاصد کو اپنے ہاتھ سے گردن نہ ماریے  
 حص نیاز عشق کے قابل نہیں رہا  
 جاتا ہوں داغ حسرت ہستی لینے ہوئے  
 مرنے کی اسے دل اور ہی تہہ ہیر کہ نہیں

کہتے ہیں اگلے زمانہ میں کوئی میر بھی تھا  
 زیارت کدہ ہوں دل آزر دگان کا  
 میں ل ہوں فریب و فاخوردگان کا  
 آدروں پہ ہے وہ ظلم کہ مجھ پر نہ ہوا تھا  
 غور شید ہنوز اس کے برابر نہ ہوا تھا  
 آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا  
 میں معقتہ فتنہ محشر نہ ہوا تھا  
 یعنی سبق شوق مسکرنہ ہوا تھا  
 میر اسبر دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا  
 آتشکدہ جاگیر سمندر نہ ہوا تھا  
 ریشہ ہر شمع خار کسوت فانوس تھا  
 کس قدر یارب ہلاک حسرت پاؤں تھا  
 دل بدل پیوستہ گویا اک لب افسوس تھا  
 جو کہ کھایا خون دل بے منت کیسوس تھا  
 صاحب کو دل نہ فیض پہ کتنا غور تھا  
 اس کی خطا نہیں ہے یہ میر انصوور تھا  
 جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا  
 ہوں شمع کشتہ درخور بھفل نہیں رہا  
 شایان دست و بازو بے قابل نہیں رہا







نے سے غرض بشما ہے کس نہ سیلو کو  
اک کو نہ بخوئی بجے دن رات پیا ہے





برزوئے ششجست و پائین باز ہے  
 واکر دیے ہیں شوق نے بند نقاب حسن  
 گو میں رہا۔ رہیں ستم با نے روزگار  
 دل سے ہوائے کشت و فامت گئی کرداں  
 بیداد عشق سے نہیں ڈرتا۔ مگر ہسد  
 رشک کہتا ہے۔ کہ اُس کا غیر سے اخلاص حیف  
 ذرہ ذرہ۔ ساغرِ میخانہ نیرنگ ہے  
 شوق ہے۔ ساماں طراز نازش اربابِ عجز  
 میں۔ اور اکافت کا بکرا وہ دل حشی کہ ہے  
 شکوہ سنج رشک ہمدیگر۔ نہ رہنا چاہئے  
 ربط یک شیرازہ وشت ہیں اجزائے ہمار  
 کو کین نقاش یک مثال شیریں تھا ہسد  
 ذکر اُس پر پیوش کا اور پھر بیاں اپنا  
 مے وہ کیوں بہت پیتے بزمِ غیر میں یارب  
 منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے  
 دے وہ جس قدر ذلت ہم نہیں میں ٹالینگے  
 درد دل کچھوں کب تک جاؤں انکو دکھلاؤں  
 گھستے گھستے مٹ جاتا آپ نے عبث ہلا  
 تاکرے نہ غمازی کر یا ہے دشمن کو

یاں امتیاز ناقص و کامل نہیں رہا  
 غیر از نگاہ اب کوئی عامل نہیں رہا  
 لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا  
 عامل۔ سعلے حسرت حاصل نہیں رہا  
 جس دل پہ ناز تھا۔ مجھے وہ دل نہیں رہا  
 عقل کہتی ہے۔ کہ وہ بے مہر کس کا آشنا  
 گردش مجنون۔ چپکلا بے لیدا آشنا  
 ذرہ۔ صحرا و سنگا و۔ قطرہ۔ دریا آشنا  
 عافیت کا دشمن۔ اور۔ آوارگی کا آشنا  
 میرا زانو موہنس۔ اور آئینہ تیرا آشنا  
 سبزہ بیگانہ صبا آوارہ گلِ نا آشنا  
 سنگ سے سر مار کر ہو دے نہ پیدا آشنا  
 بن گیا رقیب آخر تھا جو راز داں اپنا  
 آج ہی ہوا منظور اُن کو آجس اپنا  
 عرش سے اُدھر ہوتا کا شکے مکاں اپنا  
 بارے آشنا بھلا اُن کا پاساں اپنا  
 انگلیاں فگار اپنی خامہ خوں چکاں اپنا  
 ننگ سجدہ سے میرے سنگ آستاں اپنا  
 دوست کی شکایت میں ہم نے ہمزباں اپنا



ہم کہاں کے دانا تھے کس ہنر میں بکتا تھے  
 سُرمد مفت نظر ہوں مری قیمت یہ ہے  
 رخصت نار مجھے دے کہ مبادا ظالم  
 غافل بہ وہم ناز خود آرا ہے دریاں  
 بزم قلع سے عیش تننا نہ رکھ کرنگ  
 رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے  
 مقتل کو کس نشاط سے جاتا ہوں میں کہ ہے  
 جاں درجوانے یک نگہ گرم ہے اسد  
 جور سے باز آنے پر باز آئیں کیا  
 رات دن گردش میں ہیں سات آسماں  
 لاگ ہو تو اس کو ہم سمجھیں لگاؤ  
 ہونے کیوں نامہ بر کے ساتھ ساتھ  
 موج خوں سر سے گزری کیوں جانے  
 عمر بھر دیکھا کیے مرنے کی راہ  
 پوچھتے ہیں کہ غالب کون ہے  
 لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی  
 حریص پوشش دریا نہیں خود دار غنی سائل  
 عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا  
 تجھ سے قسمت میں مری صورت قفل ابجد ۴۰  
 بے سبب ہوا غالب دشمن آسماں اپنا  
 کہ رہے چشم خردار پہ آسماں میرا  
 تیرے چہرے سے ہونا ہر غم پنہاں میرا  
 بے شانہ مصائبیں سترہ گیاہ کا  
 صید زدام جستہ ہے اس ام گاہ کا  
 شرمندگی سے عذر نہ کرنا گناہ کا  
 پر گل خیال جسم سے امن بگاڑ کا  
 پروانہ ہے وکیل ترے دادخواہ کا  
 کہتے ہیں ہم تجھ کو منہ دکھائیں کیا  
 ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبراہٹ کیا  
 جب نہ ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا  
 یارب اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا  
 آستان یار سے اٹھ جائیں کیا  
 مر گئے پر دیکھئے دکھائیں کیا  
 کوئی بتلاؤ کہ ہسم بتلائیں کیا  
 چمن رنگار ہے آئینہ باد بہاری کا  
 جہاں ساقی ہو تو باطل ہے دعویٰ ہوشیاری کا  
 درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا  
 تھا لکھا بات کے بنتے ہی جدا ہو جانا



دل ہوا کشمکش چارہ زحمت میں تمام  
 اب جفا سے بھی میں محسوسم ہم اللہ اللہ  
 ضعف سے گریہ مبتدل بہ دم سرد ہوا  
 دل سے مبتلا تری انگشت خانی کا خیال  
 ہے مجھے ابرہاری کا برس کر کھلنا  
 گر نہیں نکست گل کو ترے کوچہ کی ہوس  
 تاکہ تجھ پر کھلے اعجاز ہوا اے صیقل  
 بخشے ہے جلوہ گل ذوق تماشا غالب  
 شمار جو مرغوب بت مشکل پسند آیا  
 فیض بے دلی نو میدی جاوید آساں ہے  
 ہوائے سیر گل آئینہ بے مہر قاتل  
 جہراست تختہ الماس اصفیاں اف بکرہ یہ  
 نہ ہو گا یک بیا بان ندگی سے ذوق کم سیرا  
 محبت تھی چمن سے لیکن اب یہ بے نامی ہے  
 سراپا رہن عشق و ناگزیر افست ہستی  
 بقدر ظن ہے ساقی شمار تشنہ کامی بھی

مٹ گیا گھسنے میں اس عقدہ کا وا ہو جانا  
 اس قدر دشمن ار باپ وفا ہو جانا  
 باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا  
 ہو گیا گوشت سے ناخن کا جُدا ہو جانا  
 روتے روتے غم فرقت میں فنا ہو جانا  
 کیوں ہے گردِ ردِ جولان صبا ہو جانا  
 دیکھ برسات میں سبز آئینہ کا ہو جانا  
 چشم کو چاہیے ہر رنگ میں وا ہو جانا  
 تماشا ہے بیک کف بردن صہ دل پسند آیا  
 کشائش کو ہمارا عتدہ مشکل پسند آیا  
 کہ اندازِ بخونِ سلطینِ سبل پسند آیا  
 مبارکبادِ سد غمخوار جانِ درد مند آیا  
 جاباب موجِ رفتار ہے نقش قدم سیرا  
 کہ موجِ بے نعل سے ناک میں آتا ہے دم سیرا  
 عبادت برق کی کرتا ہوں افسوس حاصل کا  
 جو تو دریائے نے ہے تو میں خیالِ دھوئیں حاصل کا





## ب

پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا مویں شراب  
 پوچھ مت ویر سیرستی ار باب ہمیں  
 جو ہوا غرقہ سے بخت رسا رکھتا ہے  
 ہے یہ برسات وہ موسم کہ عجب کیا ہے اگر  
 چار مویں اٹھتی ہے طوفان طرب سے ہر سو  
 جس قدر روح بباقی ہے جگر تشنہ ناز  
 بسکہ دڑے ہے رگ تاک میں خوں ہو ہو کر  
 مویں گل سے چراغاں ہے گزر گاہ خیال  
 نقش کے پردے میں ہے مویں تاشاے داغ  
 ایک عالم پہ میں طوفانی کیفیت فصل  
 شرح ہنگامہ ہستی ہے زہے موسم گل  
 ہوش اڑتے ہیں مرے جلوہ گل دیکھ اسد

دے بھٹائے کو دل و دست شامویں شراب  
 سایہ تاک میں ہوتی ہے ہوا مویں شراب  
 سر سے گزے پھی ہے بال ہما مویں شراب  
 مویں ہستی کو کرے فیض ہوا مویں شراب  
 مویں گل مویں شفق مویں صبا مویں شراب  
 دے ہے تسکین ہر دم آپ بقا مویں شراب  
 شہر رنگ سے ہے بال کشا مویں شراب  
 ہے تصور میں زہیں جلوہ نام مویں شراب  
 بسکہ کہتی ہے سر نشو و نما مویں شراب  
 مویں ہنر و فنیہ سے تما مویں شراب  
 رہبر قطرہ دریا ہے خوشا مویں شراب  
 پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا مویں شراب

## ت

افسوس کہ دیداں کا کیا رزق فلک نے  
 کافی ہے نشانی تری پھلے کا نہ دینا

جن لوگوں کی تھی درخوہ عقیدہ گمراہ گشت  
 خالی مجھے دکھلا کے بوقت سفر گشت



فہم اس کو حسرت پر وادہ کا ہے اسے شعلہ  
تیرے لہزے سے ظاہر ہے ناتوانی شمع









لکھتا ہوں کہ سوزشِ دل سے سخن گرم  
 رہاگر کوئی تا قیامت سلامت  
 جگر کو مرے عشقِ خوں ناپہ مشرب  
 علی الزعم دشمنِ شہید وفا ہوں  
 نہیں گر سرو برگ اور اکبِ معنی  
 مُند گمیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں غالب  
 ابدِ خط سے ہوا ہے سرو جو بازارِ دوست  
 اے دلِ ناعاقبت اندیش ضبطِ شوق کر  
 خانہ دیراں سازیِ حیرت تماشا کیجئے  
 عشق میں بیدا در شبِ غیر نے مارا مجھے  
 چشمِ مارو شن کہ اُس بیدار کا دل شاد ہے  
 غیروں کرتا ہے میری کپڑوں کے جبر میں  
 تاکہ میں جانوں کہ ہے اُس کی رسائی دامنِ ملک  
 جبکہ میں کرتا ہوں اپنا شکوہ ضعیفِ دماغ  
 چپکے چپکے مجھ کو روتے دیکھ پاتا ہے اگر  
 مہربانی ہائے دشمن کی شکایت کیجئے  
 یہ غزل اپنی مجھے جی سے پسند آئی ہے آپ ۴۵  
 تارکہ نہ سکے کوئی مرے حرف پر انگشت  
 پھر اک روز مرنا ہے حضرت سلامت  
 لکھے ہے خداوندِ نعمت سلامت  
 مبارک مبارک سلامت سلامت  
 تماشا نے نیز نگ صورت سلامت  
 یار لائے مری بالیں پہ اُسے پر کس وقت  
 دُودِ شمع کشتہ تھا شاید خطِ رخسارِ دوست  
 کون لا سکتا ہے تاب جلوہ دیدارِ دوست  
 صورتِ نقشِ قدم ہوں رفتہ رفتارِ دوست  
 کشتہ دشمن ہوں آخر گرچہ تھا ہمارِ دوست  
 دینِ پر خوں ہمارا ساغرِ سرشارِ دوست  
 بے تکلف دوست ہو جسے کوئی غمخوارِ دوست  
 بھکو دیتا ہے پیامِ وعدہ دیدارِ دوست  
 سر کرے ہے وہ حدیثِ زلفِ عنبرِ بارِ دوست  
 ہنس کے کرتا ہے بیانِ شغفی گفثارِ دوست  
 یا بیاں کیجئے سپاسِ لذتِ آزارِ دوست  
 ہے رویہٴ شعر میں غالب ز بس بکبارِ دوست



ج

گلشن میں بند و بست برنگ دگر ہے آج  
آتما ہے ایک پارہ دل ہر فناں کے ساتھ  
قمری کا طوق ملے بیرون در ہے آج  
لے عافیت کنارہ کر اسے آتھ سام چل  
تا نفس کسٹہ شکار اثر ہے آج  
لوہم مریض عشق کے تیمار دار میں  
سیلاب گریہ درپے دیوار و در ہے آج  
اچھا اگر نہ ہو تو مسیحا کا کیا علاج

ج

نفس نہ انجمن آرزو سے باہر کھینچ  
کابل گرمی سہمی تلاشیں دید نہ چوچ  
اگر شراب نہیں انتظار ساغر کھینچ  
تجھے بہانہ راحت ہے انتظار لے دل  
برنگ خار مرے آئینہ سے جوہر کھینچ  
تری طرف ہے بہرست نظارہ نرگس  
کیا ہے کس نے اشارہ کرنا بستر کھینچ  
بنیم غمزہ ادا کر حق و دیمت ناز  
ہکوری دل و چشم رقیب ساغر کھینچ  
مرے قلع میں ہے صبا آتش پناہ  
نیام پردہ زخم جگر سے خنجر کھینچ  
بروئے سفرہ کباب دل سندر کھینچ

د

حسن غمزے کی کشاکش سے چٹھامیرے بعد  
منصب شیفگی کے کوئی قابل نہ رہا  
بارے آرام سے ہیں اہل جفا میرے بعد  
شمع بجتی ہے تو اُس میں سے دھواں اُٹتا ہے  
ہوئی معزولی انداز و ادا میرے بعد  
شعلہ عشق سید پوشش ہوا میرے بعد



خوں ہے دل خاک میں احوال بتاں پر یسنی  
 درخوہ عرض نہیں جو ہر سبب اد کو جا  
 ہے جنوں اہل جنوں کے لیے آنکوش و دواع  
 کون ہوتا ہے حریف سے مرد افکن عشق  
 غم سے مرتا ہوں کہ اتنا نہیں دنیا میں کوئی  
 آئے ہے بیکسی عشق پہ رونا غالب

بلا سے ہیں جو یہ پیش نظر در و دیوار  
 و فورا شک نے کاشانہ کا کیا یہ رنگ  
 نہیں ہے سایہ کہ سن کر نوید قدم یار  
 ہوئی ہے کس قدر ارزانی سے جلوہ  
 جو ہے تجھے سر سودا سے انتظار تو آ  
 ہجوم گریہ کا سامان کب کیا میں نے  
 وہ آ رہا مرے ہمایہ میں تو سائے سے  
 نظریں کھلے ہے بن تیرے گھر کی آبادی  
 نہ پوچھ بخود ہی عیش مقدم سیلاب  
 نہ کہ کسی سے کہ غالب نہیں زمانے میں  
 گھر جب بنا لیا ترے در پر کئے بغیر

نگاہ شوق کو ہیں بال و پردہ دیوار  
 کہ ہو گئے مرے دیوار و در و دیوار  
 گئے ہیں چند قدم پیشتر در و دیوار  
 کہ مست ہے ترے کوچہ میں ہر در و دیوار  
 کہ ہیں دکان مستار غنچہ در و دیوار  
 کہ گر پڑے نہ مرے پاؤں پر در و دیوار  
 ہوئے فدا در و دیوار پر در و دیوار  
 ہمیشہ روتے ہیں ہم دیکھ کر در و دیوار  
 کہ نہا چتے ہیں پڑے سر بسر در و دیوار  
 حریف راہِ مجنت مگر در و دیوار  
 جانے گا اب بھی تو نہ مرا گھر کے بغیر



کہتے ہیں جب ہی نہ مجھے طاقت سخن  
 کام اُس سے آپڑا ہے کہ جس کا جہان میں  
 جی میں ہی کچھ نہیں ہے ہمارے دگر نہ ہم  
 چھوڑ دنگ میں اُس سب کا فر کا پوچھنا  
 مقصد ہے ناز و غمزہ دے گفتگو میں کام  
 ہر چند ہوشا ہر ذوق کی گفتگو  
 بہر ہوں میں تو چاہیے دونا ہوا لقا  
 غالب نہ کہ حضور میں تو بار بار عرض  
 کیوں بل گیا نہ تاب رخ یار دیکھ کر  
 آتش پرست کہتے ہیں اہل جہاں مجھے  
 کیا آبرو نے عشق جہاں عام ہو جہاں  
 اتنا ہے میرے قتل کو پر جوش رشک سے  
 ثابت ہوا ہے گردن میںنا پہ خون حشوت  
 و احسنا کہ یار نے کھینچا ستم سے ناتھ  
 یک جاتے ہیں ہم آپ شاع سخن کے ساتھ  
 زنتار باندہ سب داندہ توڑ ڈال  
 ان آبلوں سے پاؤں کے گھبرا گیا تھا میں  
 کیا بدگماں ہے مجھ سے کہ آئینہ میں مرے  
 گر فی تھی ہم پہ برق تجسلی نہ طور پر

جانوں کسی کے دل کی میں کیونکر کے بغیر  
 یوے نہ کوئی نام ستمگر کے بغیر  
 سر جاتے یار ہے نہ رہیں پر کے بغیر  
 چھوڑے نہ غلق گو مجھے کافر کے بغیر  
 چلتا نہیں ہے دشمنہ و خنجر کے بغیر  
 بنی نہیں ہے باد و ساغر کے بغیر  
 سنا نہیں ہوں بات مکر کے بغیر  
 ظاہر ہے تیرا حال سب اُن پر کے بغیر  
 جلتا ہوں اپنی طاقت دیدار دیکھ کر  
 سرگرم نالماں شہر بار دیکھ کر  
 رکتا ہوں تم کو بے سبب آزار دیکھ کر  
 مرتا ہوں اُس کے ماتھ میں تلوار دیکھ کر  
 لرزے ہے موج سے تری زقار دیکھ کر  
 ہم کو حسریں لذت آزار دیکھ کر  
 لیکن عیسار طبع حسریار دیکھ کر  
 رہو چلے ہے راہ کو ہموار دیکھ کر  
 جی خوش ہوا ہے راہ کو پڑخار دیکھ کر  
 طوطی کا عکس سجھے ہے زنگار دیکھ کر  
 دیتے ہیں بادہ خرم قمع خوار دیکھ کر



سر پھوڑنا وہ غالب شوریدہ حال کا  
 لرزتا ہے مراد دل زحمت مہر درخشاں پر  
 نہ چھوڑی حضرت یوسف نے یاں بھی خانہ آرائی  
 فنا تعلیم درس بخودی ہوں اُس زمانے سے  
 فراغت کس قدر رہتی مجھے تشویش مرہم سے  
 نہیں اقلیم الفت میں کوئی طومار ناز ایسا  
 مجھے اب دیکھ کر ابر شفق آلودہ یاد آیا  
 بحسن پر وار شوق ناز کیا باقی راہو گا  
 نہ زنا صبح سے غالب کیا ہوا اگر اس شدت کی  
 ہے بسکہ ہر اک اُن کے اشاعے میں نشان اور  
 یارب وہ نہ بچے ہیں نہ بچیں گے مری بات  
 ابرو سے ہے کیا اُس نگہ ناز کو پہونڈ  
 تم شہر میں ہو تو ہمیں کیا غم جب اٹھیں گے  
 ہر چند بیکٹ مست ہوئے بُت شکنی میں  
 ہے خون جگر جوش میں دل کھول کے روتا  
 مڑتا ہوں اس آواز پہ ہر چند سر اڑ جائے  
 لوگوں کو ہے خورشید جہاں تاب کا دھوکا  
 لیتا نہ اگر دل تمیں دیتا کوئی دم حسین  
 پاتے نہیں جب راہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے

یاد آگیا مجھے تری دیوار دیکھ کر  
 میں ہوں وہ قطرہ شبہم کہ ہو غار بیاباں پر  
 سفیدی دیدہ یعقوب کی پھرتی ہے زنداں پر  
 کہ مجنوں لام الف لکھتا تھا دیوار دبتاں پر  
 ہم گر صلع کرتے پار مانے دل نسکاں پر  
 کہ پشت چشم جس کی نہ ہودے مہر عنوان پر  
 کوفت میں تری آتش برستی تھی گلستاں پر  
 قیامت اک ہوا ہے تند ہے خاک شہیداں پر  
 ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریباں پر  
 کرتے ہیں محبت تو گزرتا ہے گھاں اور  
 دے اور دل اُن کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور  
 ہے تیر مقرر مگر اس کی ہے کہاں اور  
 لے آئیں گے بازار سے جا کر دل و جاں اور  
 ہم ہیں تو ابھی راہ میں ہے سنگ گراں اور  
 ہوتے جو کئی دیدہ خونسا بہ فشاں اور  
 جلاد کو لیکن وہ کسے جائیں کہ ہاں اور  
 ہر روز دکھاتا ہوں میں اک داغ نہاں اور  
 کرتا (جو نہ مڑتا) کوئی دن آہ و فغاں اور  
 رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے رواں اور



میں اور بھی دنیا میں سمجھ رہا ہوں کہ  
 صفائے حیرت آئینہ ہے سامانِ رنگ آخر  
 نہ کی سامانِ عیش و جاہ نے تدبیرِ ہشت کی  
 جنوں کی دست گیری کس سے ہو کر ہو نہ غریبی  
 برنگ کاغذِ آتش زدہ نیز رنگ بے تابی  
 فلک سے ہم کو عیشِ رفته کا کیا کیا تقاضا ہے  
 ہم اور وہ بے سبب رنج آشنا دشمن کر رکھتا ہے  
 فنا کو سوچ کر مشتاق ہے اپنی حقیقت کا  
 اسدِ بسل ہے کس انداز کا قاتل سے کتا ہے  
 ستم کش مصلحتی ہوں کہ خواہاں تجھ عاشق میں  
 لازم تھا کہ دیکھو مرا رستہ کوئی دن اور  
 مٹ جانے کا سر گر ترا پتھر نہ بگھسے گا  
 آنے ہو کل اور آج ہی کہتے ہو کہ جاؤں  
 جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے  
 ہاں اے فلک پیر جواں تھا ابھی عارف  
 تم ماہِ شب چار دہم تھے مے گھر کے  
 تم کون سے تھے ایسے کھرے داد و ستد کے  
 مجھ سے تمہیں نفرت سی تیرے لڑائی  
 گزری نہ بہر حال یہ مدت خوش و ناخوش

کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور  
 تغیرِ آبِ برجامندہ کا پاتا ہے رنگ آخر  
 ہوا جامِ زمرہ بھی مجھے داغِ پتنگ آخر  
 گریباں چاک کا حق ہو گیا ہے میری گردن پر  
 ہزار آئینہ دل باندھے ہے بالِ یک پیدن پر  
 ستارے بردہ کو سمجھے ہوئے ہیں قرضِ رہزن پر  
 شعاعِ ہجر سے تمتِ نگہ کی چشمِ روزن پر  
 فروغِ طالعِ خاشاک ہے موقوفِ گھمن پر  
 تو مشقِ ناز کر خونِ دو عالم میری گردن پر  
 محکفِ بر طرفِ مل جائیگا تجھ سارقِ قیب آخر  
 تنہا گئے کیوں اب رہو تنہا کوئی دن اور  
 ہوں در پہ ترے ناصیہ فرسا کوئی دن اور  
 مانا کہ ہمیشہ نہیں اچھا کوئی دن اور  
 کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور  
 کیا تیسرا پگڑتا جو نہ مڑتا کوئی دن اور  
 پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ نقشا کوئی دن اور  
 کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور  
 بچوں کا بھی دیکھا نہ تھا شاکوئی دن اور  
 کرنا تھا جواں مرگ گزارا کوئی دن اور



ناداں ہیں جو کہتے ہیں کہ کیوں جیتے ہو غالب قسمت میں ہے مرنے کی تنہا کوئی دن اور

ز

فارغ مجھے نہ جان کہ مانسہ صبح و بھر  
ہے نازِ مغلّساں زراز دستِ رفتہ پہ  
یہ خاؤں جگر میں یہاں خاک بھی نہیں  
حریفِ مطلبِ مشکل نہیں فسونِ نیاز  
نہ ہو بہرِ زہ سیاہاں نور و وہم وجود  
وصالِ جلوہ تماشا ہے پردہ ماغ کہاں  
ہر ایک ذرہ عاشق ہے آفتابِ پرست  
نہ پوچھو دستِ میخانہ جنوں غالب  
دستِ سخی کرم دیکھ کہ سرتاسر خاک  
یک قلم کاغذِ آتش زدہ ہے صفحہ دشت  
کیونکر اس بُت سے رکھوں جان عزیز  
دل سے نکلا پہ نہ نکلا دل سے  
تاب لاتے ہی بنے گی غالب  
نہ گلِ نغمہ ہوں نہ پردہ ساز  
تو اور آرائشِ نسیم کا کل  
لاف تمکینِ سیریب سادہ دلی ۵۱  
ہم ہیں اور رازِ نامے سینہ گداز

ہے داغِ عشقِ زینتِ جیب و کفن ہنوز  
ہوں گلِ فروشِ شوخی داغِ کمن ہنوز  
خمیازہ کھینچنے ہے بتِ بیداد و فن ہنوز  
و عاقبول ہو یا رب کہ عمرِ خضر دراز  
ہنوز تیرے تصور میں ہے نشیبِ فراز  
کہ دستِ سجّ آئینہ انتظار کو پردہ از  
گئی نہ خاک ہوئے پر ہوائے جلوہ ناز  
جہاں بہ کاسہ گردوں ہے ایک خاک انداز  
گزرے ہے آبلہ پا ابر گیسو بار ہنوز  
نقشِ پامیں ہے تپ گرمی رفتار ہنوز  
کیا نہیں ہے مجھے ایمان عزیز  
ہے ترے تیسرے کا پیکان عزیز  
واقعہ سخت ہے اور جان عزیز  
میں ہوں اپنی شکست کی آواز  
میں اور اندیشہاں دور و دراز  
ہم ہیں اور رازِ نامے سینہ گداز



ہوں گرفتارِ الفتِ صیاد  
وہ بھی دن ہو کہ اُس ستمگر سے  
نہیں مل میں مرے وہ قطرہ فوں  
اے ترا جلوہ یک قلم انگیز  
اے تر اظلم سر بسر انداز  
ریز شربِ حنہ چوبِ بین نیاز  
میں غریب اور تُو غریب نواز  
اے درِ بغاوتِ رندِ شاہِ باز

س

مرڈہ اے ذوقِ اسیری کہ نظر آتا ہے  
جگر تشنہ آزارِ تسلی نہ ہوا  
مُند گئیں کھولتے ہی کھولتے آکھیں ہے ہے  
میں بھی رُک رُک کے نہ مڑتا جو زباں کے بلے  
دہن شیر میں جا بیٹھے لیکن اے دل  
دیکھ کر تجھ کو چمن بسکہ منو کرتا ہے  
مر گیا پھوڑ کے سر غالبِ وحشی ہے ہے  
دامِ خالی قفسِ مرغِ گرفتار کے پاس  
جوے خوں ہم نے بہائی بُن ہر خار کے پاس  
خوب وقت آئے تم اس عاشقِ بیار کے پاس  
دشنہ لک تیز سا ہوتا مرے غمخوار کے پاس  
نکھرے ہو جئے خوبانِ دل آزار کے پاس  
خود بخود پہنچے ہے گلِ گوشہ دستار کے پاس  
میٹھنا اُس کا وہ آکر تری دیوار کے پاس

ش

ذیلوے گزخس جو ہر طراوتِ ہنر خط سے ۵۲ لگا دے خانہ آئینہ میں روئے نگار تہش







آزادی نسیم مبارک کہ ہر طرف  
نوشے پڑے ہیں معلقہ دامن ہوائے گل





فروغِ من سے ہوتی ہے جلِ مشکل عاشق      نہ بجھلے شمع کے پاسے نکالے گر زخارِ شمس

ع

جادو رہ خور کو وقتِ شام ہے تارِ شمع      چرخِ نگار سے ہے سوزِ جسا دوانی شمع  
زبانِ اہلِ زباں میں ہے مرگِ خاموشی      یہ باتِ بزم میں روشن ہوئی زبانی شمع  
کرے ہے صرف یہ ایمائے شعلہ قصہ تمام      بطرِ زاہلِ فنا ہے فسانہ خوانی شمع  
غمِ اس کو حسرت پر دانہ کا ہے اے شعلہ      ترے لرزنے سے ظاہر ہے ناتوانی شمع  
ترے خیال سے روحِ استہزا کرتی ہے      بجلوہِ ریزی باد و برفِ شانی شمع  
نشاطِ داغِ غمِ عشق کی بہار نہ پوچھ      شگفتگی ہے شہیدِ گلِ حسدِ زانی شمع  
جلے ہے دیکھ کے بالینِ یار پر مجھ کو      نہ کیوں ہو دل پہ مرے داغِ بدگمانی شمع

ف

بیمِ رقیب سے نہیں کرتے دواعِ ہوش      مجبوریاں تک ہوئے اے اختیارِ حیف  
بتلا ہے دل کر کیوں ہم اک بار جل گئے      اے ناتواںِ نفسِ شعلہ بار حیف

ک

زخمِ پرچہ کیر کیاں طفلانِ بے پروا تک      کیا مرہ ہوتا اگر پتھر میں بھی ہوتا تک  
گردِ راہِ یار ہے سامانِ نازِ حسدِ دل      در نہ ہوتا ہے جہاں میں کس قدر پیدا تک



مجھ کو ازانی رہے تجھ کو مبارک ہو جو  
 شورجلاں تھا کنارِ بحرِ کس کا آج  
 داد دیتا ہے مرے زخمِ جگر کی داد وہ  
 حضورِ کر جانا تو مجروحِ عاشقِ حیف ہے  
 غیر کی منت نہ کھینچو نگاہ پے تو فیہ درد  
 یادیں غالب تجھے وہ دن کہ وجہِ حق میں  
 آہ کو چاہئے اک عمر اثر ہونے تک  
 دامِ ہر موج میں ہے حلقہٴ صد کامِ نہنگ  
 عاشقی صبرِ طلب اور تمنا بیتاب  
 ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن  
 پر تو خور سے ہے شبِ نیم کو فنا کی تسلیم  
 یک نظر بیش نہیں فرصتِ ہستی غافل  
 غمِ ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگِ علاج

گ

ہے تجھ کو گر یقینِ اجابت دانا مانگ  
 یعنی بغیر یک دل بے مدعا مانگ  
 آتا ہے دلِ غمِ حسرتِ دل کا شمار یاد ۵۰  
 مجھ سے مرے گز کا حساب اُخذانا مانگ





ل

ہے کس قدر ہلاک فریب و فائے گل  
آزادی نسیم مبارک کہ ہر طرف  
جو تھا سو موج رنگ کے دھوکے میں مر گیا  
خوش حال اس حریف سیر مست کا کہ جو  
ایجاد کرتی ہے اسے تیرے لیے بہار  
شرمندہ رکھتے ہیں مجھے باد بہار سے  
سلطوت سے تیرے جلوہ حسن غور کی  
تیرے ہی جلوہ کا ہے یہ دھوکا کہ آن تک  
غالب مجھے ہے اس سے ہم غوشی آرزو  
بیل کے کار و بار پہ میں خندہ بانے گل  
ٹوٹے پڑے میں حلقہ دوام ہوائے گل  
اے دانے نالایب خویش نوائے گل  
رکھتا ہوشل سایہ گل سہ پہاے گل  
میرا رقیب ہے نفس عطر ساے گل  
مینائے بے شراب دل بے ہوائے گل  
خوں ہے مری نگاہ میں رنگ بادلے گل  
بے اختیار دوڑے ہے گل رقصانے گل  
جس کا خیال ہے گل جیب قبائے گل

م

غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش از یک نفس  
مضلیں برہم کرے ہے گنہگار خیال  
باوجودیکہ جہاں ہنگامہ پیدائی نہیں  
ضعف سے ہے نئے قناعت سے یہ ترک جستجو  
دائم العسر اس میں ہیں لاکھوں تمنائیں اس  
بہ نالہ حاصل دل بستگی نسیم کر ۵۰  
برق سے کرتے ہیں روشن شمع ماتم خانہ ہم  
میں درق گردانی نیرنگ یک بت خانہ ہم  
میں چہرا خان شہستان دل پروانہ ہم  
میں دہال تکیہ گاہ ہمت مردانہ ہم  
جانتے ہیں بیستہ پرخوں کو زنداں خانہ ہم  
متاع خانہ زنجیر جز صد معلوم



مجھ کو دیارِ غیر میں مارا دطن سے دور  
رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم  
وہ حلقہ بٹائے زلف کیں میں میں اسے خدا  
رکھ لیجو میرے دعویٰ و دستگی کی شرم

## ن

لوں امِ نخبِ خفتہ سے یک خوابِ خوش دے  
وہ فراق اور وہ وسال کہاں  
فرصتِ کار و بار شوق سے رکھے  
ذوقِ نظر از جسمال کہاں  
دل تو دل وہ دماغ بھی نہ رہا  
شورِ سودا نے خط و خال کہاں  
تھی وہ اک شخص کے تصور سے  
اب وہ غمنائی خیال کہاں  
ایسا آسان نہیں لہو رونا  
دل میں طاقتِ جگر میں حال کہاں  
ہم سے چھوٹا قمار خانہ عشق  
واں جو جاویں گرہ میں مال کہاں  
فکرِ دنیا میں کھپاتا ہوں  
میں کہاں اور یہ وبال کہاں  
مُضَمَّل ہو گئے تو نے غالب  
وہ عناصر میں امتداد کہاں  
کی وفا ہم سے تو غیر اُس کو جفا کہتے ہیں  
ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو بُرا کہتے ہیں  
آج ہم اپنی پریشانی خاطر اُن سے  
کہنے جاتے تو ہیں پر دیکھئے کیا کہتے ہیں  
اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو  
جوئے و نغمہ کو اندوہ رہا کہتے ہیں  
دل میں آجانے ہے ہوتی ہے جو غمش سے  
اور پھر کون سے نالے کو رسا کہتے ہیں  
ہے پرے سرحدِ ادراک سے اپنا سجد  
قبلے کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہیں  
پائے افکار پہ جبے تجھے حرم آیا ہے  
خارِ رہ کو ترے ہم مہر گیا کہتے ہیں



وہاں خود دہرائی کو تھا ہوتی پڑنے کا خیال  
یاں ہجوم و شک میں تارنگہ تابیاب تھا









اک شہر دل میں ہے اس سے کوئی گھر لگا گیا  
 دیکھئے لاتی ہے اس شوخ کی سخت کیا رنگ  
 دشت و شیفہ اب مرثیہ کہوں شاید  
 آبرو کیا خاک اس گل کی جو گلشن میں نہیں  
 ضعف سے لے کر یہ کچھ باقی مرے تن میں نہیں  
 ہو گئے ہیں مع اجزائے نگاہ آفتاب  
 کیا کہوں تار کی زندانِ غم اندھیر ہے  
 رونق بستی ہے عشق خانہ ویراں ساز سے  
 زخم سلوانے سے مجھ پر چارہ جوئی کا ہے طعن  
 بسکہ ہیں ہم اک بہارِ ناز کے مارے ہوئے  
 قطرہ قطرہ اک بیوٹی ہے نئے نئے ناسور کا  
 لے گئی ساقی کی سخت مستلزم آشامی می  
 ہوشِ رضعف میں کیا ناتوانی کی نمود  
 تھی وطن میں شان کیا غالب کہ بغیر بیتِ قہر  
 عہدے سے مع ناز کے باہر نہ آسکا  
 طلقے ہیں چشمائے کشادہ ہوئے دل  
 میں اور عہد ہزار نوائے جسگر خراش  
 ظالم مرے گماں سے مجھے منفعلیں چاہ  
 مہرباں ہو کے بلا لو مجھے چاہو جس وقت ۶۵

آگ مطلوب ہے ہم کو جو ہوا کہتے ہیں  
 اس کی ہر بات پہ ہم نام خدا کہتے ہیں  
 مر گیا غالب آشفۃ نوا کہتے ہیں  
 ہے گریباں تنگ پیرا بن جو دامن میں نہیں  
 رنگ ہو کر اڑ گیا جو خوں کہ دامن میں نہیں  
 ذرے اس کے گھر کی یاروں کے روزن میں نہیں  
 پہنہ نور صبح سے کم جس کے روزن میں نہیں  
 انجمن بے شمع ہے گر برق خرمین میں نہیں  
 غیر سمجھا ہے کہ لذت زخم سوزن میں نہیں  
 جلوہ گل کے سوا گرد اپنے مدفن میں نہیں  
 خوں بھی ذوق درد سے قابغ مرے تن میں نہیں  
 موج نے کی آج رگ مینا کی گردن میں نہیں  
 قد کے جھکنے کی بھی گنجائش مرے تن میں نہیں  
 بے تکلف ہوں وہ مشتبہ خس کہ گلخن میں نہیں  
 گراک ادا ہو تو اسے اپنی قضا کہوں  
 ہر تار زلف کو نگہ سرسبز کہوں  
 تو اور ایک وہ نشیدن کہ کیا کہوں  
 ہے ہے خدا نہ کردہ تجھے بیوفا کہوں  
 میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آجی نہ سکوں



ضعف میں طعنہ افیاء کا شکوہ کیا ہے  
 زہر ملتائی نہیں محب کو ستمگر ورنہ  
 ہم سے کھل جاؤ بوقتِ مے پرتی ایک دن  
 غرۂ اورج بنائے عالم اسکاں نہ ہو  
 قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہاں  
 نعمائے غم کو بھی اسے دل غنیمت جانئے  
 وصول دچتا اس سر اپا ناز کا شیوہ نہیں  
 ہم پر جفا سے ترک وفا کا گماں نہیں  
 کس منہ سے شکر کیجیے اس لطفِ خاص کا  
 ہم کو ستم عریضہ ستمگر کو ہم عزیز  
 بوسہ نہیں نہ دیکھئے کشنام ہی سہی  
 ہر چند جانگدازی قہر و عتاب ہے  
 جاں مطرب ترانہ بل من مزید ہے  
 خنجر سے چیر سینہ اگر دل نہ ہو دو نیم  
 ہے ننگ سینہ دل اگر آتش لگے نہ ہو  
 نقصان نہیں جنوں میں بلا سے ہو گھر خراب  
 کہتے ہو کیا لکھا ہے تری سرنوشت میں  
 پاتا ہوں اس سے داد کچھ اپنے کلام کی  
 جاں ہے بہائے ہوس لے کیوں کہے ابھی

بات کچھ سرتو نہیں ہے کراٹھا بھی نہ سکوں  
 کیا قسم ہے ترے ملنے کی کہ کھا بھی نہ سکوں  
 ورنہ ہم چھڑ گئے رکھ کر غد بستی ایک دن  
 اس بلندی کے نصیبوں میں ہے پستی ایک دن  
 رنگ لائنگی ہماری فاقہ مستی ایک دن  
 بے صدا ہو جائیگا یہ ساز بستی ایک دن  
 ہم ہی کر بیٹھے تھے غالب پیشانی ایک دن  
 اک چھیر ہے وگرنہ مراد امتحاں نہیں  
 پرسش ہے اور پائے سخن دریاں نہیں  
 نامہرباں نہیں ہے اگر مہرباں نہیں  
 آخر زباں تو رکھتے ہو تم گرداں نہیں  
 ہر چند پشت گرمی تاب و تواں نہیں  
 لب پر زوہ سنج زمرنہ الاماں نہیں  
 دل میں مھری چھوڑے گر خوشچکاں نہیں  
 ہے عابد دل نفس اگر آذر فشاں نہیں  
 سو گز زمیں کے بدلے بیاباں گراں نہیں  
 گویا جیسے پوچھو بت کا نشان نہیں  
 روح القدس اگر چہ مرا ہنسزباں نہیں  
 غالب کو جانتا ہے کہ وہ نیجاں نہیں



مانع دشت نوردی کوئی تہہ سیر نہیں  
 شوق اس دشت میں فزائے ہے بھٹک کر جہاں  
 حسرت لذت آزار رہی جاتی ہے  
 رنج نو مہدی جاوید گوارا رہیو  
 سر کھجاتا ہے جہاں زخم سراپا ہوا جلے  
 جب کرم رخصت بیباکی و گستاخی سے  
 غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ  
 مت مردکب دیدہ میں کجھو نہ لگائیں  
 بر شگال گریہ عاشق ہے دیکھا چاہیے  
 افسانہ گل سے غلط ہے دعویٰ و راستگی  
 عشق تاثیر سے نو مہد نہیں  
 سلطنت دست بدست آئی ہے  
 ہے تجلی تری سامان وجود  
 راہ معشوق نہ رسوا ہو جائے  
 گردش رنگ طرب کے ڈر ہے  
 کہتے ہیں جیتے ہیں امید پہ لوگ  
 جہاں تیر نقش قدم دیکھتے ہیں  
 دل ہشتنگاں خال کنج دہن کے  
 ترے سرو قیامت سے اک تہہ آدم

ایک چکر ہے مے پاؤں میں زنجیر نہیں  
 جاوہ غنیر از نگہ دین تصویر نہیں  
 جاوہ راہ و فاجہ دم شمشیر نہیں  
 خوش ہوں گر نالہ ز بونی کش تاثیر نہیں  
 لذت سنگ باندا ز تہہ تہہ نہیں  
 کوئی تقصیر کجس نہ بخلت تقصیر نہیں  
 آپ بے بہرہ ہے جو معتقد تیر نہیں  
 میں جمع سویدائے دل شہم میں آئیں  
 کھل گئی مانسہ گل سو جا سے دیوار چمن  
 سرو ہے باوصف آزادی گرفتار چمن  
 جاں سپاری شجرہ بید نہیں  
 جام مے خاتم جمشید نہیں  
 ذرہ بے پر تو نور شید نہیں  
 در نہ مر جانے میں کچھ بھید نہیں  
 غم محسوس می جاوید نہیں  
 ہم کو جینے کی بھی امید نہیں  
 خیاباں فیساں ابرم دیکھتے ہیں  
 سوید میں میر عہد دیکھتے ہیں  
 قیامت کے فتنہ کو کم دیکھتے ہیں



تماشا کر اسے محو آئینہ داری  
 سراغ نقب نالہ لے داغ دل سے  
 بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب  
 بلتی ہے خونے یار سے نار التباب میں  
 کب سے ہوں کیا بتاؤں جہان خراب میں  
 تا پھر نہ انتظار میں نیند آنے سے بھر  
 قاصد کے آنے آتے خط اک اور لکھ رکھوں  
 مجھ تک کب اُن کی بزم میں آتا تھا دورِ جام  
 جو منکر و فا ہو فریب اُس پہ کیا چلے  
 میں مضطرب ہوں وصل میں خوفِ رقیب سے  
 میں اور خط و وصل خدا ساز بات ہے  
 ہے تیوری چڑھی ہوئی اندر نقاب کے  
 لاکھوں لگاؤ ایک چہرہ انا نگاہ کا  
 وہ نالہ دل میں خس کی برابر جگہ نہ پائے  
 وہ بخسہ مدعا طلبی میں نہ کام آئے  
 غالب چھٹی شہاب پر اب بھی کبھی کبھی  
 کل کے لیے کر آج نہ خست شہاب میں  
 ہیں آج کیوں ذلیل کر کل تک نہ تھی پسند  
 جاں کیوں بچھنے لگتی ہے تن سے ہم سماع

تجھے کس تناس سے ہم دیکھتے ہیں  
 کرب زو کا نقش قدم دیکھتے ہیں  
 تماشا نے اہل کرم دیکھتے ہیں  
 کافر ہوں گر نہ ملتی ہو راحت عذاب میں  
 شب مانے ہجر کو بھی رکھوں گرجا میں  
 آنے کا عہد کر گئے آنے جو خواب میں  
 میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں  
 ساقی نے کچھ مانا دیا ہوشیار میں  
 کیوں بدگماں ہوں دوست دشمن کے باب میں  
 ڈالا ہے تم کو وہم نے کس بیچ و تاب میں  
 جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں  
 ہے اک شکن پڑی ہوئی طرف نقاب میں  
 لاکھوں بناؤ ایک بگڑنا عتاب میں  
 جس نالہ سے شکاف پڑے آفتاب میں  
 جس سحر سے سفینہ رواں ہو سہراب میں  
 پیتا ہوں روزِ ابر و شب ماہتاب میں  
 یہ سوہن ہے ساقی کوثر کے باب میں  
 گستاخی فرشتہ ہمارے جناب میں  
 گردہ صدا سمانی ہے چنگ درباب میں



زو میں ہے خشن عمر کماں دیکھئے تھے  
 اتنا ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بند ہے  
 اصل شود و مشاہد و مشو و ایک ہے  
 ہے مثل نمود و صور پر وجود و بسر  
 شرم اک ادا نے ناز ہے اپنے ہی سے سی  
 آرایش حال سے فارغ نہیں بنوز  
 ہے غیب غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شود  
 غالب ندیم دوست کا آتی ہے بونے دست  
 حیراں ہوں دل کو روؤں کہ مٹیوں بگر کو میں  
 چھوڑا نہ رشک نے کہ ترے گھر کا نام لوں  
 جانا پڑا رقیب کے در پر ہزار بار  
 ہے کیا جو کس کے باندہ جیسے میری بلا ڈرے  
 لو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے تنگ و نام ہے  
 پلٹا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ  
 خوابش کو احمقوں نے پرستش دیا قرار  
 پھر بخودی میں بھول گیا راہ کو نے یار  
 اپنے پہ کر رہا ہوں قیاس اہل دہر کا  
 غالب نہ اکرے کہ سوا بہمنہ نہا  
 ذکر میرا : ہر ہی بھی اسے منظور نہیں ۹۵

نے ماتہ باگ پر ہے نہ پاس ہے رکاب میں  
 جتنا کہ وہم غیر سے ہوں بیچ و تاب میں  
 حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں  
 یاں کیا دھرا ہے قطرہ و موج و جاب میں  
 میں کہتے ہے حجاب کہ میں یوں حجاب میں  
 پیش نظر ہے آئینہ وایم نقاب میں  
 میں خواب میں بنوز جو جاگے میں خواب میں  
 مشغول حق ہوں بند گئی تو تراب میں  
 مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں  
 ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کہہ کر کو میں  
 اے کاش جانتا نہ تری جس گزر کو میں  
 کیا جانتا نہیں ہوں تھساری کمر کو میں  
 یہ جانتا اگر تو لٹا تا نہ گھر کو میں  
 پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہ بسر کو میں  
 کیا پوچھتا ہوں بت بیدار کو میں  
 جاتا و گرد ایک دن اپنی خبہ کو میں  
 سمجھا ہوں و پسندیر متاع ہنس کو میں  
 دیکھوں علی بہادری عالی گھر کو میں  
 غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دور نہیں



وعدہ سیر گلستاں ہے خوشاطلاع شوق  
 شاید ہستی مطلق کی کمر ہے عالم  
 قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن  
 حسرت اسے ذوق خرابی کی وہ طاقت رہی  
 میں جو کہتا ہوں کہ ہم لینے قیامت میں نہیں  
 ظلم کر ظلم اگر لطف دروغ آتا ہو  
 صاف درد کی کش پیانا جم ہیں ہم لوگ  
 ہوں غموری کے مقابل میں خفا کا غالب  
 نالہ جز حسن طلب اسے ستم ایجاد نہیں  
 عشق و مزدوری عشق کو خسرو کیا خوب  
 کم نہیں وہ بھی خرابی میں پہ دستِ سلیم  
 اہل بینش کو ہے طوفان حوادث مکتب  
 واسطے محرومی تسلیم و بداحال وفا  
 رنگ نیکین گل دلالہ پریشاں کہوں ہے  
 سبد گل کے تلے بند کرے ہے گلچیں  
 نفی سے کرتی ہے اثبات تراوش گویا  
 کم نہیں جلوہ گری میں ترے کوچے بہشت  
 کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت غالب  
 دونو جہان دے کے وہ سمجھے کہ خوش رہا

مرثوہ قتل مفتد رہے جو مذکور نہیں  
 لوگ کہتے ہیں کہ ہے پرہیز منظور نہیں  
 ہم کو قتلیدہ تنگ ظرفی منصور نہیں  
 عشق پر عسیر بدلی گوں تن رنجور نہیں  
 کس عورت سے وہ کہتے ہیں کہ ہم حور نہیں  
 تو تغافل میں کسی رنگ سے معذور نہیں  
 واسے وہ بادہ کہ افشردہ انگور نہیں  
 میرے دعوے پر یہ نجات ہے کہ مشہور نہیں  
 ہے تقاضاے جفا شکوہ بیداد نہیں  
 ہم کو تسلیم نکو نامی سر باد نہیں  
 دشت میں ہے مجھے عیش گھر باد نہیں  
 لطف موج کم از سیلی استماد نہیں  
 جانتا ہے کہ ہیں طاقت فرما د نہیں  
 گر چراغان سر ہنگر باد نہیں  
 مرثوہ اسے مرغ کہ گلزار میں صیاد نہیں  
 دی ہے جائے دہن اس کو دم ایجاد نہیں  
 یہی نقشہ ہے دلے اس قدر آباد نہیں  
 تم کو بے مہری یاران وطن یاد نہیں  
 یاں آپڑی یہ شہرم کہ تکرار کیا کریں



تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رہ گئے  
 کیا شمع کے نہیں ہیں ہوا خواہ اہل بزم  
 ہو گئی ہے غیر کی شیریں بیانی کارگر  
 قیامت ہے کہ سن لیلیٰ کا دشت قیس میں آنا  
 دل نازک پس کے گرم آتا ہے مجھے غالب  
 دل لگا کر لگ گیا اُن کو بھی تنہا بیٹھنا  
 ہیں نوال آمادہ اجزا آفرینش کے تمام  
 یہ ہم جو بھر میں دیوار و در کو دیکھتے ہیں  
 وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے  
 نظر لگے نہ کہیں اُس کے دست و بازو کو  
 ترے جو اسرار طرب کُل کو کیا دیکھیں  
 نہیں کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں  
 کوئی کہے کہ شبِ مر میں کیا بُرائی ہے  
 جو اوں سامنے اُن کے تو مرجا نہ کہیں  
 کبھی جو یاد بھی آتا ہوں میں تو کہتے ہیں  
 علاوہ عید کے طہی ہے اور دن بھی شراب  
 جہاں میں ہو غم و شادی ہم ہیں کیا کام  
 تم اُنکے وعدہ کا ذکر اُن کیوں کرو غالب  
 تیرے تو سن کو صبا باندھتے ہیں ۱۱

تیرا پست نہ پائیں تو ناچار کیا کریں  
 ہو غم ہی جاگند از تو عنسوار کیا کریں  
 عشق کا اُس کو گھاں ہم بے زبانوں پر نہیں  
 تعجب سے وہ بولایوں بھی ہوتا ہے زمانے میں  
 نہ کر سرگرم اُس کا فکر کو الفت آزمائے میں  
 بارے اپنی بکسی کی ہم نے پائی دادیاں  
 مہر گردوں ہے چراغِ رگھنار بادیاں  
 کبھی صبا کو کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہیں  
 کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں  
 یہ لوگ کیوں مرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہیں  
 ہم ادب طالع لعل و گہر کو دیکھتے ہیں  
 شبِ فراق سے روزِ جزا یاد نہیں  
 بلا سے آج اگر دن کو ابر و باد نہیں  
 جو جاؤں دیاں سے کہیں کو تو خیر باد نہیں  
 کہ آج بزم میں کچھ فتنہ و فساد نہیں  
 گدا نے کو چہ میحسا نہ نامہ راو نہیں  
 دیا ہے ہم کو خدا نے وہ دل کہ شاد نہیں  
 یہ کیا کہ تم کہو اور وہ کہیں کہ یاد نہیں  
 ہم بھی مضمون کی ہوا باندھتے ہیں



او کا کس نے اثر دیکھا ہے  
 تیری سرعت کے مقابل لے عمر  
 قید ہستی سے ربانی معلوم  
 نشہ رنگ سے ہے واشد گل  
 غلطی ہائے مضامین مست پوچھ  
 اہل تدبیر کی دامانہ گیسان  
 سادہ پرکار ہیں خواہاں غالب

دائم پڑا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں  
 کیوں گردشِ مدام سے گھبرانے دل  
 یارب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لیے  
 حد چاہیے سزا میں عقوبت کے واسطے  
 کس واسطے عزیز نہیں جانتے مجھے  
 رکھتے ہو تم قدم مری آنکھوں سے کیوں دریغ  
 کرتے ہو مجھ کو منہ قد ہو بس کس لیے  
 غالب و ظیفہ خوار ہو دو شاہ کو دعا  
 سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں گئیں  
 یاد تھیں ہم کو بھی رنگارنگ بزمِ آرائیاں  
 تھیں غنائتِ نقش گرد و دن کو پرے میں نہاں  
 قید میں مقبولے لی گو نہ یوسف کی خبر ۷۱

ہم بھی اک اپنی ہوا باندھے ہیں  
 برق کو پا چستا باندھتے ہیں  
 اشک کو بے سرو پا باندھتے ہیں  
 مست کب بند قبا باندھتے ہیں  
 لوگ نالے کو رسا باندھتے ہیں  
 آبلوں پر بھی حنا باندھتے ہیں  
 ہم سے پیمان وفا باندھتے ہیں

خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں ہوں میں  
 انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں  
 لوحِ جہاں پہ حرمت مکتور نہیں ہوں میں  
 آخر گناہگار ہوں کافر نہیں ہوں میں  
 فعل و زمر و زر و گوہر نہیں ہوں میں  
 رُتبے میں مہر و ماہ سے کمتر نہیں ہوں میں  
 کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں  
 وہ دن گئے کہ کہتے تھے نوکر نہیں ہوں میں  
 خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پناہ ہو گئیں  
 لیکن اب نقش و نگار طاقِ نسیاں ہو گئیں  
 شب کو آنکھ جی میں کیا آئی کہ عریاں ہو گئیں  
 لیکن آنکھیں روزِ بن دیوارِ زنداں ہو گئیں







ما تَعِدْ دُشْتِ غَرَامِ بِاُنْے لیلیٰ کون ہے  
خاندانِ مجنونِ صحرا گرد بے دروازہ تھا





سب قیوبوں سے ہوں ناخوش پر زبان ہنسنے  
 جوئے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہے شام فراق  
 ان پر زاروں سے لینے غلہ میں ہم انتقام  
 نیند اسکی ہے دماغ اسکا ہے راتیں اسکی میں  
 میں چمن میں کیا گیا گویا دبستان کھل گیا  
 وہ گاہیں گویا ہوتی جاتی ہیں ٹارنل کے پار  
 بسکرو کا میں نے اور سینہ میں بھریں پے پے  
 واں گیا بھی میں تو ان کی گالیوں کا کیا جواب  
 جانفزا ہے بادہ جس کے ہاتھ میں جام آگیا  
 ہم سوختہ ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم  
 رنج سے خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج  
 یوں ہی گر و تار غالب تو لے لے لے جاں  
 دیوانگی سے دوش پہ زنا بھی نہیں  
 دل کو نیاز حسرت دیدار کر چکے  
 ملنا تڑا اگر نہیں آساں تو سہل ہے  
 بے عشق عمر کٹ نہیں سکتی ہے اوریاں  
 شوریدگی کے ہاتھ سے سر پہ بال دوش  
 گنجائش صداقت اختیار اک طرف  
 ڈرنا لہائے زار سے میرے خدا کو مان

ہے زلیخا خوش کرمجو ماہ کنساں ہو گئیں  
 میں یہ بھجوں گا کہ شمعیں دو فروزاں ہو گئیں  
 قدرت حق سے یہی حویں اگر داں ہو گئیں  
 تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں  
 بلبلیں سن کر مرے نالے غزل خواں ہو گئیں  
 جو مری کوتاہی قسمت سے مرگیاں ہو گئیں  
 میری آہیں نچسے چاک گریباں ہو گئیں  
 یاد تھیں جتنی دعائیں صرف درباں ہو گئیں  
 سب لکیریں ہاتھ کی گویا رگ جاں ہو گئیں  
 ہمتیں جب مٹ گئیں اجڑا ہے ایماں ہو گئیں  
 مشکلیں مجھ پر نہیں اتنی کہ آساں ہو گئیں  
 دیکھنا ان بستیوں کو تم کو دیراں ہو گئیں  
 یعنی ہماری جیب میں لک تار بھی نہیں  
 دیکھا تو ہم میں طاقت دیدار بھی نہیں  
 دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں  
 طاقت بقدر لذت آزار بھی نہیں  
 صحرا میں اے خدا کوئی دیوار بھی نہیں  
 یاں ل میں ضعف سے ہوس یاں بھی نہیں  
 آخر نوائے مرغ گرفتار بھی نہیں



دل میں ہے یار کی صفت مرگھاس کے زکوشی  
 اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا  
 دیکھا اسد کو غلوت و جلوت میں بار بار  
 نہیں ہے زخم کوئی بچنے کے زخور مے تن میں  
 ہوئی ہے مانع ذوق تماشا خانہ ویرانی  
 ودمیت خانہ بیدار کا دشمنائے مرگھاس ہوں  
 بیاں کس سے ہو غلوت گسری میرے شہتوں کی  
 بکھو ہش مانع بے ربطی شور جنوں آئی  
 ہوئے اس مہروش کے جلوہ کشال کے آگے  
 نہ جانوں نیک ہوں یا بد ہوں چہمت مخالفت سے  
 ہزاروں دل دیے جوش جنون عشق نے مجھ کو  
 اسد زندانی تاثیر الفت اے خواہاں ہوں  
 مرے جہان کے اپنی نظر میں خاک نہیں  
 مگر غبار ہوئے پر ہوا اڑا لے جائے  
 یہ کنشت شامل کی آم آہ ہے  
 بھلا اسے نہ سہی کچھ مجھی کو جسم آتا  
 خیال جلوہ گل سے خراب ہیں میکش  
 ہوا ہوں عشق کی غارتگری سے شرمندہ  
 ہمارے شعر میں اب صرف لگی کے ہسد  
 حالانکہ طاقتِ شش غار بھی نہیں  
 رشتے ہیں اور باتھ میں تلوار بھی نہیں  
 دیوانہ گر نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں  
 ہوا ہے تار اشک یا سہشتہ چشم سوزن میں  
 کعبہ سیلاب باقی ہے ہرنگ پنہ روزن میں  
 نگین نام شاہد ہے مرا ہر قطرہ خوں تن میں  
 شب مہو جو رکھ دیں پنہ دیواروں کے وزن میں  
 ہوا ہے خندہ اجباب بخیرہ جیب و دامن میں  
 پرافشاں جو ہر آئینہ میں مثل ذرہ روزن میں  
 جو گل ہوتی ہوں گلشن میں جنوں میں تو ہوں گلشن میں  
 یہ ہو کر سویدا ہو گیا ہر قطرہ خوں تن میں  
 خیم دست نوازش ہو گیا ہے طوق گردن میں  
 سوائے خون جگر سو جگر میں خاک نہیں  
 وگردن تاب تو ان ٹال و پر میں خاک نہیں  
 کہ غیر جلوہ گل مرگھاس میں خاک نہیں  
 اثر مرے نفس بے اثر میں خاک نہیں  
 شراب خانہ کے دیوار و در میں خاک نہیں  
 سوائے حسرت تعمیر گھر میں خاک نہیں  
 کھلا کر فائدہ عرض سنسہ میں خاک نہیں



رہا آباد عالم اہل بیت کے ہونے سے  
بھرتے ہیں جس قدر عالم و سبوتیخا نہ خالی ہے









دل ہی تو ہے سنگِ خشتِ در و بھڑانے کیوں  
 دیر نہیں حرم نہیں در نہیں آستان نہیں  
 جب وہ جمالِ بفسر و صورتِ مہرِ نیر و ز  
 دشنہ غمزہ جانتاں ناوکِ ناز بے پناہ  
 قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دو نو ایک ہیں  
 حسن اور اس حسنِ سخن رہ گئی بولہوس کی شرم  
 واں وہ غرورِ عز و نازیاں یہ حجابِ پاسِ وضع  
 ہاں وہ نہیں غمِ پرست جاؤ وہ بے وفا سی  
 غالبِ خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں  
 غنچہِ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کیوں  
 پریش طرزِ دلبری کیجیے کیا کہ بن کے  
 رات کے وقت مے پیئے ساتھ قریب کو لیئے  
 غیر سے رات کیا بنی یہ جو کہا تو دیکھیے  
 بزم میں اس کے رہو کیوں نہ غموش بیٹھیے  
 میں نے کہا کہ بزمِ ناز چاہیے غیر سے تھی  
 مجھ سے کہا جو یار نے جاتے ہیں ہوش کس طرح  
 کب مجھے کوئے یار میں رہنے کی وضع یاد تھی  
 گرتے دل میں خیالِ وصل میں شوقِ کا زوال  
 جو یہ کہے کہ ریت کیونکہ ہو رشکِ فارسی

روئیں گے ہم ہزار بار کوئی نہیں ستائے کیوں  
 بیٹھے ہیں رہ گزر رہے ہم غیر ہیں اٹھائے کیوں  
 آپ ہی ہوں نظارہ سوز پرے میں بڑ چھپائے کیوں  
 تیرا ہی عکس رخِ سحر سے تیرے آئے کیوں  
 موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں  
 اپنے پہ اعتماد ہے غیسر کو آزمائے کیوں  
 راہ میں ہم ملیں کہاں بزم میں وہ بلائے کیوں  
 جس کو ہو دین و دل غمزا کی گلی میں جائے کیوں  
 روئے زار زار کیا کیجیے اٹے اٹے کیوں  
 بوسہ کو چھتا ہوں میں مزہ سے مجھے بتا کیوں  
 اُسکے ہر اک اشارے سے بکھلے ہے یہ ادا کیوں  
 آئے وہیاں خدا کرے پر نہ کرے خدا کیوں  
 سامنے آن بیٹھنا اور یہ دیکھنا کیوں  
 اسکی تو خاموشی میں بھی ہے یہی مدعا کیوں  
 سن کے ستمِ ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کیوں  
 دیکھ کے میری بخودی چلنے لگی ہوا کیوں  
 آئینہ دار بن گئی حیرتِ نقشِ پاک کیوں  
 ہون محیط آب میں مائے بے دست و پا کیوں  
 گفتہ غالب ایک بار پڑھ کے اسے سنا کیوں



خُند سے دل اگر افسردہ ہے گرم تماشا ہو  
 بقدر حسرت دل چاہیئے ذوقِ معاصی بھی  
 اگر وہ سرد و قد گرم حشر ام ناز آجاوے  
 کعبہ میں جانا تو نہ دو طعنہ کیا کہیں  
 طاعت میں تا ہے نہ مے و انگبیس کی لاگ  
 ہوں مخوف نہ کیوں رہ و رسمِ ثواب سے  
 غالب کچھ اپنی سسی سے لٹا نہیں مجھے  
 وارث اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں ہو  
 چھوڑا نہ مجھ میں ضعف نے رنگِ اختلاط کا  
 ہے مجھ کو تجھ سے تذکرہ غیر کا گلہ  
 ڈالا نہ بیکسی نے کسی سے مسالہ  
 ہے آدمی بجائے خود اک محشرِ خیال  
 ہنگامہ زبونی ہمت ہے نفعِ سال  
 وارسنگی بہانہ بیگانگی نہیں  
 مٹتا ہے فوتِ فرصت ہستی کا غم کوئی  
 اُس قدر خوں کے در سے اب اٹھتے نہیں لہند  
 قفس میں ہوں گرا چھا بھی نہ جانیں میرے شیون کو

کہ چشمِ تنگ شاید کثرتِ نظارہ سے وا ہو  
 بھروں یک گوشہ دامنِ گر آبِ ہفت دریا ہو  
 کعبہ ہر خاکِ گلشنِ شکلِ قمری نالِ فرسا ہو  
 بٹولا ہوں حقِ صحبتِ اہلِ کنشت کو  
 دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر ہشت کو  
 ٹیڑھا لگا ہے قاطعِ سلمِ سرِ نوشت کو  
 خرمن جلے اگر نہ ملخ کھائے کشت کو  
 کیجے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں ہو  
 ہے دل پہ باغشِ محبت ہی کیوں ہو  
 ہر چند برسبیلِ شکایت ہی کیوں ہو  
 اپنے سے کھینچتا ہوں فجالت ہی کیوں ہو  
 ہم انجمن سمجھتے ہیں غلوت ہی کیوں ہو  
 حاصل نہ کیجے دہرے عبرت ہی کیوں ہو  
 اپنے سے کر نہ غیر سے وحشت ہی کیوں ہو  
 عمر عزیز صرف عبادت ہی کیوں ہو  
 اس میں ہمارے سر پہ قیامت ہی کیوں ہو  
 مرا ہونا بُرا کیا ہے نواسِ جانِ گلشن کو



یوں اندھیری ہے شبِ غم ہے ہاؤس کا زول  
آج اندھیری کو رہیگا دینِ آہستہ کھلا









نہیں گر ہمدی آسان نہ ہو یہ رشک کیا کم ہے  
 نہ نکلا آنکھ سے تیری اک آنسو اس جرات پر  
 خدا شرانے باقوں کو کرکتے ہیں کشاکش میں  
 ابھی ہم قتل گرد کا دیکھنا آسان سمجھتے ہیں  
 ہوا چرچا جو میرے پاؤں کی زنجیر منے کا  
 خوشی کیا کھیت پر میرے اگر سوار ابر آوے  
 وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے  
 شہادت تھی مری قسمت میں جودی تھی یہ جو مجھ کو  
 نہ لٹکان کو تو کب رات کو یوں بے خبر سوتا  
 سخن کیا کہ نہیں سکتے کہ جو یاں ہوں جاہر کے  
 مرے شاہ سلیمان جاوے نسبت نہیں غالب  
 دھوتا ہوں جب میں پیئے کو اس سمیتن کے پانو  
 دی سادگی سے جان پڑوں کو کہن کے پانو  
 بھاگے تھے ہم بہت سو اسی کی سزا ہے یہ  
 مرہم کی جستجو میں پھرا ہوں جو دور دور  
 اللہ سے ذوق دشت نور دی کہ بعد مرگ  
 ہے جوش گل بہار میں یاں تک کہ ہر طرف  
 شب کو کسی کے خواب میں آیا نہ ہو کہیں  
 غالب مرے کلام میں کیونکر مرزا نہ ہو ۱۹

نہ دی ہوتی خدایا آرزوئے دوست دشمن کو  
 کیا سینے میں جس نے خوچکاں مرگان سوزن کو  
 کبھی میرے گریباں کو کبھی جاناں کے دامن کو  
 نہیں دیکھا شاد و رجوے خوں میں تیرے توسن کو  
 کیا بے تاب کاں میں جنبش جو ہرنے آہن کو  
 سمجھتا ہوں کہ دھونڈھے ہے ابھی سے برق خیزن کو  
 مرے تجنا میں تو کب سے میں گاڑو برہمن کو  
 جہاں تلوار کو دیکھا جھکا دیتا تھا گردن کو  
 رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو  
 جگر کیا ہم نہیں رکھتے کہ کھو دیں جا کے معدن کو  
 فریدون و جم و کینر و داراب و بہمن کو  
 رکھتا ہے ضد سے کھینچ کے باہر لگن کے پانو  
 بیہمت کیوں نہ ٹوٹ گئے پیرزن کے پانو  
 ہو کر اسیر دابے ہیں حسن زن کے پانو  
 تن سے سوا انگار ہیں اس خستہ تن کے پانو  
 ہلتے ہیں خود بخود مرے اندر کفن کے پانو  
 اڑتے ہوئے اچھٹے ہیں مرغ چمن کے پانو  
 دکھتے ہیں آج اس بت نازک بدن کے پانو  
 پیتا ہوں دھوکے خسرو شیریں سخن کے پانو



دامن کو ہول ل ہے تو یاں میں ہوں شمسار  
 اپنے کو دیکھتا نہیں ذوق ستم تو دیکھ  
 دامن پہنچ کر جو غش آتا پئے ہم ہے ہم کو  
 دل کو میں اور مجھے دل مجھ و فگار کھتا ہے  
 ضعف سے نقش پئے ہو رہے طوق گردن  
 جان کر کیجے تغافل کہ کچھ امید بھی ہو  
 رشک ہم طرمی و در و اثر بانگِ حزنیں  
 سرازانے کے جو وعدے کو مکر چاہا  
 دل کے خون کرنے کی کیا وجہ لیکن پلچار  
 تم وہ نازک کہ خموشی کو فغاں کہتے ہو  
 لکھنو آنے کا باعث نہیں کھلتا یعنی  
 قطع سلسلہ شوق نہیں ہے یہ شہر  
 لینے جاتی ہے کہیں ایک توقع غالب  
 تم جانو تم کو غیہ سے جو رسم راہ ہو  
 بچتے نہیں مواخذہ روزِ حشر سے  
 کیا وہ بھی بیگنہ کشش حق ناشناس ہیں  
 ابھرا ہوا نقاب میں ہے اُن کے ایک تار  
 جب میکہ چھٹا تو پھر اب کیا جگہ کی قید  
 سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف سب درست

یعنی یہ میری آد کی تاشیر سے نہ ہو  
 آئینہ تاکہ دیدہ پنچیر سے نہ ہو  
 صدر وہ آہنگ زمیں ہوں قدم ہے ہم کو  
 کس قدر ذوق گرفتاری ہم ہے ہم کو  
 تیرے کو ہے سے کہا ملتا رہا ہے ہم کو  
 یہ نگاہِ عسلط انداز تو سم ہے ہم کو  
 نالہ مرغِ حسرتیخ دودم ہے ہم کو  
 ہنس کے بولے کہ تیرے سر کی قسم ہے ہم کو  
 پاس بے رونقی دین اہم ہے ہم کو  
 ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم ہے ہم کو  
 جو سیر و تماشا سودہ کم ہے ہم کو  
 عزم سیرِ بخت و طوفِ حرم ہے ہم کو  
 جادہ رہ کشش کا فکرم ہے ہم کو  
 مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو  
 قاتل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو  
 مانا کہ تم بشر نہیں خورشید و ماہ ہو  
 مرزا ہوں میں کہ یہ نہ کسی کی نگاہ ہو  
 مسجد ہو مدرس ہو کوئی خانقاہ ہو  
 لیکن خدا کرے وہ تری جسد و گاہ ہو



غالب بھی گرنے ہو تو کچھ ایسا ضرر نہیں  
 گئی وہ بات کہ ہو گفتگو تو کیونکر ہو  
 ہمارے ذہن میں اس فکر کا ہے نام وصال  
 ادب ہے اور یہی کشمکش تو کیا کیجے  
 تھیں کہو کہ گزارا صنم پرستوں کا  
 ابھتے ہو تم اگر دیکھتے ہو آئینہ  
 جسے نصیب ہو روز سیاہ میرا سا  
 ہیں پھر ان سے آئینہ اور انھیں تیری قدر  
 غلط نہ تھا ہمیں خط پر گماں تسلی کا  
 بتاؤ اس مرثیہ کو دیکھ کر کہ مجھ کو قرار  
 مجھے جنوں نہیں غالب دے بقول صنم  
 کسی کو دے کے دل کوئی نوا سنج فناں کیوں ہو  
 وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں چھوڑیں  
 کیا غمخوار نے رسوا لگے آگ اس محبت کو  
 وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پھوڑا ٹھہرا  
 قص میں مجھ سے رو داد و چمن کہتے نہ ڈر ہم  
 یہ کہہ سکتے ہو ہم دل میں نہیں ہیں پر یہ بتاؤ  
 غلط ہے جذب ل کا شکوہ دیکھو جرم کس کا ہے  
 یہ فتنہ آدمی کی خانہ دیرانی کو کیا کم ہے

دنیا ہو یا رب اور مرا بادشاہ ہو  
 کسے سے کچھ نہ ہوا پھر کو تو کیونکر ہو  
 کہ گرنے ہو تو کہاں جائیں ہو تو کیونکر ہو  
 حیا ہے اور یہی گو گو تو کیونکر ہو  
 بتوں کی ہو اگر ایسی ہی خو تو کیونکر ہو  
 جو تم سے شرمین جاں ایک دو تو کیونکر ہو  
 وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیونکر ہو  
 ہماری بات ہی پوچھیں نہ دو تو کیونکر ہو  
 نہ مانے دین دیدار جو تو کیونکر ہو  
 یہ فیش ہو رگ جاں میں فرو تو کیونکر ہو  
 فراق یار میں تسکین ہو تو کیونکر ہو  
 نہ ہو جب ل ہی سینہ میں تو پھر سنیں باں کیوں ہو  
 شکر سرن کے کیا پوچھیں ہم سے سرگراں کیوں ہو  
 نہ لاوے تاب جو غم کی وہ میرا راز داں کیوں ہو  
 تو پھر اے سنگ ل تیرا ہی سنگ آستان کیوں ہو  
 گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیان کیوں ہو  
 کہ جب ل میں تھیں تم ہو تو اکھوں کے نہاں کیوں ہو  
 نہ کھینچو گر تم اپنے کو کشاکش دریاں کیوں ہو  
 ہوئے تم دوست جسکے دشمن اسکا آساں کیوں ہو



یہی ہے آزمانا تو ستانا کس کو کہتے ہیں  
 کما تم نے کہ کیوں ہو غیر کے ملنے میں سوائی  
 نکالا چاہتا ہے کام کیا طعنوں سے تو غالب  
 رہنے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو  
 بے در و دیوار سا اک گھر بنایا چاہیے  
 پڑیے گریہ مار تو کوئی نہ ہو تیار دار  
 عدو کے ہو لیے جب تم تو میرا استخاں کیوں ہو  
 بجا کہتے ہو سچ کہتے ہو پھر کیوں کہ ہاں کیوں ہو  
 ترے بے مہر کہنے سے وہ تجھ پر مہرباں کیوں ہو  
 ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہمزباں کوئی نہ ہو  
 کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو  
 اور اگر مر جائیے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

۵

از مہر تابہ ذرہ دل و دل ہے آئینہ  
 ہے بس نہ زار ہر در و دیوار غم سکدہ  
 ناچار بیکسی کی بھی حسرت اٹھائیے  
 طوطی کو شش جہت سے مقابل ہے آئینہ  
 جس کی بہاریہ ہو پھڑاس کی خزان پوچھ  
 دشواری رہ دسم منہ رہاں پوچھ

۵

صد بلوہ رو برو ہے جو مرگیاں اٹھائیے  
 ہے سنگ پر برات معاش جنون عشق  
 دیوار باریشت مزدور سے ہے غم  
 یا میرے زخم رشک کو رسوا نہ کیجیے  
 مسجد کے زیر سایہ خرابات چاہیے  
 عاشق ہوئے ہیں آپ بھی اک در شخص پر  
 طاقت کہاں کہ دید کا احساں اٹھائیے  
 یعنی ہنوز مرثیہ طیف لانا اٹھائیے  
 اے خانان خراب احساں اٹھائیے  
 یا پردہ تبسم نہ پنا اٹھائیے  
 بھونٹیں آنکھ مبتلا عاجات چاہیے  
 آخر تم کی کچھ تو مکافات چاہیے

۹۱



سیکس میں زخون کے لیے ہم مصوری  
 نے سے غرض نشاط ہے کس کو سیاہ  
 ہے رنگ لالہ گل نسیم جدا جدا  
 سر پہ نیم پہ چاہیے ہنگام بخودی  
 یعنی چپ گردش پیاہ صفت  
 نشوونما ہے اہل سے غالب فروغ کو  
 بساط عجز میں تھا ایک ل یک قطرہ خوں وہ بھی  
 ہے اس شوق سے آرزو ہم چندے تکلف سے  
 خیال مرگ کب تکس دل آرزو کو بخشے  
 نہ کرتا کاشن نا مجھ کو کیا معلوم تھا ہم  
 نہ اتنا بڑشس تیج جفا پر ناز مسرماؤ  
 مے عشرت کی خواہش ساقی گردن کیا کجے  
 مے دل میں ہے غالب شوق مل شکوہ جواں  
 ہے بزم بتاں میں سخن آرزو لبوں سے  
 ہے دوحس دج پریشانی صبا  
 رندانہ دیکھ کہ گستاخ میں ناہ  
 سدا و وفا دیکھ کہ جاتی رہی آخر  
 تاہم کو شکایت کی بھی باقی نہ رہے جا  
 غالب تراحوال سنا دیکھے ہم ان کو ۹۲

تقریب کچھ تو بہ نسبت ملاقات چاہیے  
 اک گو نہ بخودی مجھے دنات چاہیے  
 ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیے  
 روستوں قبلہ وقت مناجات چاہیے  
 عارف ہمیشہ مست مے ذات چاہیے  
 خاموشی ہی سے نکلے ہے جوبات چاہیے  
 سو رہتا ہے باندا ز چکیدن سرنگوں وہ بھی  
 تکلف برطون تھا ایک انداز جنوں وہ بھی  
 مرے دام تنائیں ہے اک سید زبوں وہ بھی  
 کہ ہوگا باعث افزائش درد دروں وہ بھی  
 مے دریائے بیتابی میں ہے اک موج خوں وہ بھی  
 لینے بیٹھا ہے اک دوچار جام داڑگوں وہ بھی  
 خدا وہ دن کرے جو اس سے میں یہ بھی کہوں وہ بھی  
 تنگ آئے میں ہم ایسے خوشام طلبوں سے  
 یک بار لگا دو نیم مے میرے لبوں سے  
 زہار نہ ہونا طرف ان بے ادبوں سے  
 ہر چند مری جان کو تھا ربط لبوں سے  
 سن لیتے ہیں گو ذکر ہمارا نہیں کرتے  
 وہ سن کے بلا لیں یہ اجارا نہیں کرتے



گھر میں تھا کیا کہ ترا غم اُسے غارت کرتا  
 غم دنیا سے گر پانی بھی فرست سرائے کی  
 کھلے گا کس طرح مضمون مرے مکتوب کا یارب  
 پٹنا پر نیاں میں مسئلہ آتش کا آساں ہے  
 انھیں منظور اپنے زنجیروں کا دیکھ آنا تھا  
 ہماری سادگی تھی التفات ناز پر مرنا  
 لکھ کو پے حادث کا تحمل کر نہیں سکتی  
 کون کیا خوبی اوضاع ابنائے زماں غالب  
 حاصل سے ناتھ دھو بیٹھ اے آرزو خرامی  
 اُس شمع کی طرح سے جس کو کوئی بجھا دے  
 کیا تنگ ہم ستم زدگان کا جہان ہے  
 ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے  
 حالانکہ ہے یہ سیلی خارا سے لالہ رنگ  
 کی اُس نے گرم سینہ اہل ہوس میں جا  
 کیا خوب تم نے فیر کو بوس نہیں دیا  
 ریشا ہے جو کہ سایہ دیوار یار میں  
 ہستی کا اعتبار بھی غم نے مٹا دیا  
 ہے بارے اعتماد وفاداری اس قدر  
 درد سے میرے ہے تجھ کو بقراری اٹے اٹے ۹۲

وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرت تعمیر سو ہے  
 فلک کا دیکھنا تقریب تیرے یاد آنے کی  
 قسم کھائی ہے اُن کا فرنے کا قہ کے جلانے کی  
 دے شکل ہے حکمت دل میں سوز غم چھپانے کی  
 اُٹھے تھے سیر گل کو دیکھنا شوخی بہانے کی  
 ترا آنا تھا ظالم مگر تہیہ جانے کی  
 مری طاقت کہنا سن تھی تہوں کے ناز اٹھانے کی  
 بدی کی اُس نے جس سے ہم نے کی تھی بارہانہ کی  
 دل جوش گریہ میں ہے ڈوبی ہوئی اسامی  
 میں بھی جھلے ہونوں میں ہوں داغ ناتامی  
 جس میں کہ ایک نہیں مور آساں ہے  
 پر تو سے آفتاب کے ذرہ میں جان ہے  
 غافل کو میرے شیشہ پے کے گمان ہے  
 آدے نہ کیوں پسند کہ ٹھنڈا مکان ہے  
 پس چپ رہو ہمارے بھی منہ میں زبان ہے  
 فرمانروائے کشور ہندوستان ہے  
 کس سے کہوں کہ دل غلجہ کا نشان ہے  
 غالب ہم اس میں خوش چین امرواں ہے  
 کیا ہوئی ظالم تری فعلت شعاری اٹے اٹے



تیرے دل میں گرنے تھا آشوبِ نسیم کا چھل  
 کیوں مری غمخوارگی کا تجھ کو آیا تھا خیال  
 عمر بھر کا تو نے پیمانِ وفا باندھا تو کیا  
 زہر لگتی ہے مجھے آب و ہوا بے زندگی  
 گلِ فشانِ باغے نازِ جسلوہ کو کیا ہو گیا  
 شرمِ رسوائی سے جا چھپنا نقابِ خاک میں  
 خاک میں ناموسِ مہمانِ محبت مل گئے  
 ہاتھ ہی تیغِ آزما کا کام سے جاتا رہا  
 کس طرح کانٹے کوئی شبِ باغے تارِ بھگال  
 گوشِ بھو پر پیام و چشمِ محسوسِ جمال  
 عشق نے پکڑا نہ تھا غالب ابھی حشت کا رنگ  
 گشتِ گلی میں عالمِ ہستی سے پاس ہے  
 لیتا نہیں مرے دلِ آوارہ کی خبر  
 کیجیے بیاں سرورِ تپِ غم کہاں تک  
 ہے وہ غرورِ حسن سے بیگانہ وفا  
 پی جس قدر بے شبِ مہتاب میں شراب  
 ہر اک مکان کو ہے یکیں سے شرمِ اسد  
 گر غامشی سے فائدہ اٹھائے حال ہے  
 کس کو سناؤں حسرتِ اظہار کا گلہ ۹۰

تو نے پھر کیوں کی تھی میری نگہاری ٹٹے ٹٹے  
 دشمنی اپنی تھی میری دوستداری ٹٹے ٹٹے  
 عمر کو بھی تو نہیں ہے پامداری ٹٹے ٹٹے  
 یعنی تجھ سے تھی اُسے ناسازگاری ٹٹے ٹٹے  
 خاک پر جوتی ہے تیری لالہ کاری ٹٹے ٹٹے  
 ختم ہے الفت کی تجھ پر پردہ داری ٹٹے ٹٹے  
 اٹھ گئی دنیا سے راہ و رسمِ یاری ٹٹے ٹٹے  
 دل پہ اک لگنے نہ پایا زخمِ کاری ٹٹے ٹٹے  
 ہے نظرِ خورِ دہشتِ شمارِ یاری ٹٹے ٹٹے  
 ایک لٹس پر یہ نا اُمید داری ٹٹے ٹٹے  
 رہ گیا تھا دل میں جو کچھ ذوقِ خواری ٹٹے ٹٹے  
 تسکین کو دے نویدِ کمرے کی آس ہے  
 اب تک وہ جانتا ہے کیسے ہی پاس ہے  
 ہر ٹوٹے بدن پہ زبانِ سپاس ہے  
 ہر چند اُس کے پاس لبِ حق شناس ہے  
 اس لعلیِ مزاج کو گرمی ہی راس ہے  
 مجنوں جو مر گیا ہے تو جنگلِ اداس ہے  
 خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے  
 دلِ فردِ جمع و منہجِ زبلیں ٹٹے لال ہے



کس پچھے میں ہے آئینہ پردازِ خدا  
 ہے ہے خدا نخواستہ وہ اور دشمنی  
 مشکلیں لباسِ کعبہ علی کے قدم سے جان  
 وحشت پہ میری عرصہ آفاق تنگ تھا  
 ہستی کے مت فریب میں آجائو اسد  
 تم اپنے ٹکڑے کی باتیں نہ کھو دکھو کے پوچھو  
 دلا یہ دردِ عالم بھی تو مفتنم ہے کہ آخر  
 ایک جا حرف و فاکٹھا تھا سو بھی مٹ گیا  
 جی جلتے ذوقِ فنا کی ناتامی پر نہ کیوں  
 آگ سے پانی میں بجھتے وقتِ اُشتی ہے صدا  
 ہے وہی بدستی ہر ذرہ کا خود عذر خواہ  
 مجھ سے مت کہ تو ہیں کستا تھا اپنی زندگی  
 آنکھ کی تصویر سرنامے پہ کھینچی ہے کہ تا  
 پینس میں گزرتے میں جو کوپے سے وہ میسے  
 مری ہستی فضیلے حیرت آباد تھا ہے  
 خزاں کیا فصل گل کتے ہیں کس کو کوئی موسم ہو  
 وفائے دلبراں ہے اتفاقِ درنہ لے ہم  
 نالائے شوخی اندیشہ تابِ سنج نویسدی  
 رحم کر ظالم کہ کیا ہو چسپاںِ کشیدہ  
 رخصت کہ عذر خواہ لب بے سوال ہے  
 اے شوقِ منفصل یہ تجھے کیا خیال ہے  
 نانتِ زمین ہے نہ کہ نانتِ غزال ہے  
 دریا زمین کو عسرتِ نفیال ہے  
 عالم تمام حسلۃ دُائِم خیال ہے  
 عذر کرو مے دل سے کراس میں آگ دہی ہے  
 نہ گریہ حسری ہے نہ آؤ نیم شبی ہے  
 ظاہر کا خد ترے خط کا غلط بردار ہے  
 ہم نہیں جلتے نفس ہر چہ آتش بار ہے  
 ہر کوئی در ماندگی میں نال سے ناچار ہے  
 جس کے جلوے سے زمین آسمان شرار ہے  
 زندگی سے بھی مرا جی ان نون بیزار ہے  
 تجھ کھل جاوے کہ اس کو حسرت دیدار ہے  
 کندھا بھی کماروں کو بہ لئے نہیں دیتے  
 جسے کہتے ہیں نال وہ اسی عالم کا عتاب ہے  
 وہی ہم ہیں قفس ہے اور ماتم بال و پر کا ہے  
 اثرِ فریاد و لہا ہے حیرت کا کس نے دیکھا ہے  
 کہتے افسوس ملنا عہدِ تجدد یہ تھا ہے  
 نبضِ بیابان و فادو چسپاںِ کشیدہ







یہ کتاب ہے دماغ کا ہے مائیں اسکی ہیں  
تیری رائیں ہیں کے بازو پر پیشاں کو نہیں





دل لگی کی آرزو پیچیں کھتی ہے ہمیں  
 چشمِ خواہاں غاشی میں بھی نوا پرداز ہے  
 پُتھر عشاق سازِ طالعِ ناساز ہے  
 دستِ گاہِ دیدہِ خوبسارِ مجنوں دیکھنا  
 عشقِ مجھ کو نہیں دشتِ ہی سہی  
 قطعِ کیجئے نہ تعلقِ ہم سے  
 میرے ہونے میں ہے کیا رسوائی  
 ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے  
 اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو  
 عمر ہر چند کہ ہے برقِ خرام  
 ہم کوئی ترکِ وفا کرتے ہیں  
 کچھ تو دنے اے فلکِ انصاف  
 ہم بھی تسلیم کی تو ڈالیں گے  
 یار سے چھڑ چلی جائے اسد  
 ہے آرمیدگی میں نکو ہش بجا مجھے  
 ڈھونڈے ہے اُس مٹنی آتشِ نفس کو جی  
 ستانہ طے کروں ہوں روِ وادیِ خیال  
 کرتا ہے بسکہ باغ میں تو بے جابیاں  
 کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ ۱۱  
 درنیاں بے رونقی سوچیں کس شے  
 سرِ مر تو کنوے کہ دو شعلہ آواز ہے  
 نالہ گویا گر دشنِ سیارہ کی آواز ہے  
 یک بیاباں جسلوہ گلِ فرش پا انداز ہے  
 میری دشت تیری شہرت ہی سہی  
 کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی  
 اے وہ مجلس نہیں خلوت ہی سہی  
 غیر کو تجھ سے محبت ہی سہی  
 آگئی گر نہیں غفلت ہی سہی  
 دل کے خوں کرنے کی فرصت ہی سہی  
 نہ سہی عشقِ مصیبت ہی سہی  
 آہ و فزاد کی رخصت ہی سہی  
 بے نیازی تری عادت ہی سہی  
 گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی  
 صبحِ وطن ہے خندہ دندانِ نا مجھے  
 جس کی صدا ہو جسلوہ برقِ فنا مجھے  
 تباہِ گشت سے نہ رہے مذعا مجھے  
 آنے لگی ہے حکمتِ گل سے حیا مجھے  
 شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے



زندگی اپنی جہاں شکل سے گزری غالب  
اُس بزم میں مجھے نہیں بنتی حیا کیئے  
دل ہی تو ہے سیاست درباں سے ڈر گیا  
رکھتا پھرون میں خرقہ و سجادہ رہن سے  
بے صرف ہی گزرتی ہے ہو گرچہ عمر خضر  
مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہاؤںم  
کس روز تمہیں نہ ترا شاکیے عدو  
صحت میں غیر کی نہ پڑی ہو کہیں یہ خو  
ضد کی ہے اور بات مگر خو بُری نہیں  
غالب تھیں کہو کہ ملے گا جواب کیا  
زقار عسر قطع رہو اضطراب ہے  
میناے مے ہے سر و نشاط بہار سے  
زخمی ہوا ہے پاشنہ پائے ثبات کا  
جاواد بادہ نوشی زنداں ہے شش جہت  
نظارہ کیا حریف ہو اُس برق حسن کا  
میں نامراد دل کی تسلی کو کیا کروں  
گزارا ہد مسرت مینا م یار سے  
دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پر رشک آجائے ہے  
نا تھو دھو دل سے یہی گری گرا ندیشے میں ہے

ہم بھی کیا یاد کرینگے کہ خدا رکھتے تھے  
میٹھا رہا اگرچہ اشارے ہوا کیئے  
میں اور جاؤں در سے ترے بن صدا کیئے  
مُدت ہوئی ہے دعوتِ آبِ ہوا کیئے  
حضرت بھی کل کہیں گے کہ ہم کیا کیا کیئے  
تو نے وہ گنج ہائے گرانما یہ کیا کیئے  
کس دن ہمارے سر پہ نہ آئے چلا کیئے  
دیئے لگا ہے بوسہ بغیر التجا کیئے  
بھولے سے اُس نے یکروں دھڑے وفا کیئے  
مانا کہ تم کہا کیئے اور وہ سنا کیئے  
اِس سال کے حساب کو برق آفتاب ہے  
بالِ تدرو جملوہ موجِ شراب ہے  
تے بھاگنے کی گوںِ نفاست کی تاب ہے  
غافل گماں کرے ہے کہ گیتی خراب ہے  
جوشِ بہار جلوے کو جس کے نقاب ہے  
مانا کہ تیرے رخ سے نگہ کامیاب ہے  
قاصدِ چھب کو رشکِ سوال و جواب ہے  
میں اُسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے  
آہِ گینہ تندی صبا سے پگھلا جائے ہے



غیر کو یارب وہ کیونکر منع گستاخی کرے  
 شوق کو یہ لت کہ ہم نام نہ کھینچے جائے  
 دُور چشم بہ تری بزم طرب کے داد واد  
 گرچہ ہے طرزِ تغافل پر وہ دایرِ عاشق  
 اُس کی بزمِ آرائیاں سن کر دلِ بخوریاں  
 ہو کے عاشق وہ پری رخ اور نازک بن گیا  
 نقش کو اُس کے مصوّر پر بھی کیا کیا ناز میں  
 سایہ میرا مجھ سے مثل دود بھلگے ہے ہمد  
 گرم فریاد رکھا شکلِ نہالی نے مجھے  
 نیہ و نقدِ دو عالم کی حقیقت معلوم  
 کثرتِ آرائی وحدت ہے پرستارِ ہم  
 ہوسِ گل کا تصور میں بھی کھٹکانہ رہا  
 کارِ گاہِ ہستی میں لالہ داغِ سماں ہے  
 غنچہ تا شگفتن با برگِ عافیت معلوم  
 ہم سے رنجِ یتابی کس طرح اٹھایا جائے  
 اُگ رہا ہے دردِ دیوار سے سبزِ غالب  
 سادگی پر اُس کی مر جانے کی حسرتِ دل میں ہے  
 دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا  
 گرچہ ہے کس کس بُرائی سے دلے با این ہم

گر حیا بھی اُس کو آتی ہے تو شرما جائے ہے  
 دل کی وہ حالت کہ دم لینے سے گھبرا جائے ہے  
 نغمہ ہو جاتا ہے وہاں گر نالہ میرا جائے ہے  
 پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے  
 مثلِ نقشِ مدعا سے غیسر مینا جائے ہے  
 رنگ کھلتا جائے ہے جتنا کہ اڑتا جائے ہے  
 کھینچتا ہے جس قدر اتنا ہی کھینچتا جائے ہے  
 پاس مجھ آتشِ بجاں کے کس سے ٹھہرا جائے ہے  
 تب لانا مجھ میں ہی بردِ لیالی نے مجھے  
 لے لیا مجھ سے مری بہتِ عالی نے مجھے  
 کر دیا کافرانِ اصنام خیالی نے مجھے  
 عجب آرام دیا ہے پرو بالی نے مجھے  
 بزمِ خیرینِ راحتِ خونِ گرمِ دہنِ ہے  
 باوجودِ کبھی خوابِ گلِ پریشاں ہے  
 داغِ پشتِ دستِ عمرِ شعلہ نشینِ ہے  
 ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے  
 بس نہیں چلتا کہ پھر خیرِ کفِ قافل میں ہے  
 میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے  
 ذکرِ میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اُس محفل میں ہے



بس جو مٹا اسی خاک میں مل جائیگی  
 رنج رو کیوں کھینچنے دامانہ کی کو عشق ہے  
 جلوہ زار آتش دوزخ حصارِ دل سی  
 ہے دل شوریدہ غالب ظلمتِ چق قلاب  
 دل سے تری نگاہ جگر تک اتر گئی  
 شق ہو گیا ہے سینہ خوشالذتِ فراغ  
 وہ بادِ شبانہ کی سرستیاں کہاں  
 اڑتی پھرے ہے خاک مری کوے یا میں  
 دیکھو تو دھنسر ہی اندازِ نقشِ پا  
 ہر بولہوس نے حسن پرستی شمار کی  
 نفاے نے بھی کام کیا وہ نقاب کا  
 فردا دی کا تفسر تو کیا مرث گیا  
 مارا زمانہ نے اسدِ لعلِ خاں تھیں  
 تنگیں کو ہم نہ روئیں جو ذوقِ نظر ملے  
 اپنی گلی میں مجھ کو نہ کر دینِ بے قیل  
 ساقی گری کی شرم کرو آج ورنہ ہم  
 تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن اے نیم  
 تم کو بھی ہم دکھائیں کہ جنوں نے کیا کیا  
 لازم نہیں کہ خضر کی ہم پیروی کریں

یہ جو اک لذت ہماری سہمی بے عامل میں ہے  
 اٹھ نہیں سکتا ہمارا جو مستم منزل میں ہے  
 فتنہ شورِ قیامت کس کی آب و گل میں ہے  
 رزم کر اپنی متناظر کہ کس شکل میں ہے  
 دو نو کو اک ادا میں رضامند کر گئی  
 تکلیف پر وہ داری ہنس جگر گئی  
 اٹھے بس اب کہ لذتِ خواب سحر گئی  
 بلے اب لے ہوا ہوس بال و پر گئی  
 بیج منہ اب یار بھی کیا گل کٹر گئی  
 اب آبرو سے شیوہ اہل نظر گئی  
 مستی سے ہر گدے رخ پر بکھر گئی  
 کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گزر گئی  
 وہ دلو لے کہاں وہ جوانی کہ حشر گئی  
 حورانِ خلد میں تری صورت گھر لے  
 میسے پتہ سے خلق کو کیوں تیرا گھر لے  
 ہر شب پیاہی کرتے ہیں بے جوق رے  
 میرا سلام کیو اگر ناس برے  
 فرصت کشاکش غم پنہاں سے گرے  
 مانا کہ اک بزرگ ہمیں ہم سفر لے



ہست و نرس میں تقاضا ہے تحریر ہے پیدا کی  
وہ ایک نگاہ و ہر نگاہ سے کم ہے









اے سکنانِ کوچہ دلدار کھنا  
 کوئی دن گر زندگانی اور ہے  
 آتشِ دوزخ میں یہ گرمی کھساں  
 بار بار دیکھی ہیں اُن کی رنجشیں  
 مے کے خط منہ دیکھتا ہے نامہ بر  
 قاطعِ اعسار ہیں اکشرِ نجوم  
 بوچکیں غالب بلائیں سب تمام  
 کوئی اُمیدِ برنسیں آتی  
 موت کا ایک دن معین ہے  
 آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی  
 جانتا ہوں ثوابِ طاعتِ زہد  
 ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں  
 کیوں نہ چوں کر یاد کرتے ہیں  
 داغِ دل گر نظر نہیں آتا  
 ہم دماں ہیں ماں سے ہم کو بھی  
 مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی  
 کد کس منہ سے جاؤ گے غالب  
 دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے  
 ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار ۱۰۹  
 یا الہی یہ ماجرا کیا ہے  
 تم کو کہیں جو غالب آشفۃِ سر ملے  
 اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے  
 سوزِ غم ہائے ہنسائی اور ہے  
 پر کچھ اب کے سہ گرائی اور ہے  
 کچھ تو پیغامِ زبانی اور ہے  
 وہ بلائے آسمانی اور ہے  
 ایک مرگِ ناگہانی اور ہے  
 کوئی صورتِ نظر نہیں آتی  
 نیند کیوں رات بھر نہیں آتی  
 اب کسی بات پر نہیں آتی  
 طبیعتِ اوسر نہیں آتی  
 در نہ کیا بات کر نہیں آتی  
 میسری آواز گر نہیں آتی  
 بُو بھی اے چارہ گر نہیں آتی  
 کچھ ہماری خبر نہیں آتی  
 موت آتی ہے پر نہیں آتی  
 شرمِ مست کو مگر نہیں آتی  
 آخر اس درد کی دوا کیا ہے  
 یا الہی یہ ماجرا کیا ہے



میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں  
 جسکے تجھ پر نہیں کوئی موجود  
 یہ پری چسپورہ لوگ کیسے ہیں  
 شکن زلف عنبریں کیوں ہے  
 بنزہ و گل کہاں سے آئے ہیں  
 ہم کو ان سے وفا کی ہے اسید  
 ہاں بھلا کر ترا بھلا ہوگا  
 جان تم پر نثار کرتا ہوں  
 میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب  
 کہتے تو ہو تم سب کہ بت غالیہ مو آئے  
 ہوں کشکش نزع میں ہاں جذبِ محبت  
 ہے ساقی و شعلہ و سیلاب کا عالم  
 ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ بھاگیں گے نکیرین  
 جلا دے دُرتے ہیں نہ واعظ سے جھگرتے  
 ہاں اہل طلب کون سے طعنہ نہ یافت  
 اپنا نہیں وہ شیوہ کہ آرام سے بیٹھیں  
 کی ہم نفسوں نے اثرِ گریہ میں تقصیر  
 اُس انجمن ناز کی کیا بات ہے غالب  
 پھر کچھ اک دل کو بقراری ہے ۱۱۱  
 کاش پوچھو کہ دعا کیا ہے  
 پھر یہ ہنگامہ اسے خدا کیا ہے  
 عنبر و عنبر و ادا کیا ہے  
 نگہ چشم سرمہ سا کیا ہے  
 ابر کیا چسپورہ ہوا کیا ہے  
 جو نہیں جانتے وفا کیا ہے  
 اور درویش کی صدا کیا ہے  
 میں نہیں جانتا دعا کیا ہے  
 مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے  
 یک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہ دو آئے  
 کچھ کہ نہ سکوں پر وہ مرے پوچھنے کو آئے  
 آنا ہی سمجھ میں مری آتا نہیں گو آئے  
 ہاں منہ سے مگر بادۂ دوشینہ کی ہو آئے  
 ہم سمجھے ہوئے ہیں اُسے جن بھیس میں جو آئے  
 دیکھا کہ وہ ملتا نہیں اپنے ہی کو کھو آئے  
 اُس درپہ نہیں بار تو کہے ہی کو ہو آئے  
 اچھے رہے آپاں سے مگر مجھ کو ڈبو آئے  
 ہم بھی گئے واں اور تری تقدیر کو رو آئے  
 سینہ جو یائے زخم کاری ہے



پھر جگر کھودنے لگا ناخن  
 قبلہ مقصد ہنگامہ نیاز  
 چشم دلال جنس رسولی  
 وہی صد رنگ نالہ فرسائی  
 دل ہوا بے خرام ناز سے پھر  
 جلوہ پھر عرض ناز کرتا ہے  
 پھر اسی بے وفا پر مرتے ہیں  
 پھر کھلا ہے در عدالت ناز  
 ہو رہا ہے جہان میں اندھیر  
 پھر دیا پارہ جگر نے سوال  
 پھر ہوئے ہیں گواہ عشق طلب  
 دل و مرگاہ کا جو مقدمہ تھا  
 نہ خودی بے سبب نہیں غالب  
 جنوں تہمت کش تسکیں نہ ہو گشت ادائیگی  
 کشاکش بائے ہستی سے کرے کیا سہمی نژادی  
 پس از مردن بھی دیوانہ زیارت گاہ طفلان ہے  
 نکو ہوش ہے سزا فریادی بیداد و لبر کی  
 رگ بیللی کو خاک وشت جہنوں رنگی بخشے  
 پر پروانہ شاید باد بان کشتی سے تھا ۱۱۱

آمد فصل لالہ کاری ہے  
 پھر وہی پردہ عساری ہے  
 دل شیریدار ذوق خواری ہے  
 وہی صد گونہ اشکباری ہے  
 محشرستان بیقراری ہے  
 روز بازار جاں سپاری ہے  
 پھر وہی زندگی عساری ہے  
 گرم بازار فوجداری ہے  
 زلفت کی پھر سرشتداری ہے  
 ایک منہ پڑو آہ و نزاری ہے  
 اشکباری کا حکم جاری ہے  
 آج پھر اُس کی رد بکاری ہے  
 کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے  
 نمک پاش خراش دل ہے لذت زندگانی کی  
 ہوئی زنجیر موج آب کو فرصت روانی کی  
 شرار سنگ نے تربت پیر کی گل فشانی کی  
 مبادا خندہ دندان ناہو مسج محشر کی  
 اگر جو دے بجائے دانہ دہقان نوک شتر کی  
 ہوئی مجلس کی گرمی سے روانی دور سفر کی



کروں بیدار ذوقِ پریشانی عرض کیا قدرت  
 کہاں تک روؤں سکے غیمے کے پیچھے قیامت سے  
 بے اعتدالیوں سے جنگ میں ہم مجھے  
 پہناں تھا دامِ سخت قریبِ شیان کے  
 ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہے  
 سختی کشانِ عشق کی پوچھے ہے کیا خبر  
 تیری وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہر میں  
 لکھے رہے جنوں کی حکایاتِ خون چکاں  
 اللہ ری تیری شندی خوب جسکے ہم سے  
 اہل ہوس کی فتح ہے ترکِ نیر و عشق  
 نالے عدم میں چند ہمارے سپرد تھے  
 چھوڑی اسد نہ ہم نے گدائی میں دل لگی  
 جو نہ نقدِ داغِ دل کی کرے شعلہ پاسبانی  
 مجھے اُس سے کیا توقع بزمانہ جوانی  
 یونہیں دکھ کسی کو دینا نہیں خوب دردِ کتنا  
 خلقت کہے میں میرے شبِ غم کا جوش ہے  
 نے مرودہ چھ سال نہ نظارہ جمال  
 نے کیا ہے حسنِ خود آرا کو بے حجاب  
 گوہر کو عیشِ گردنِ خواہاں میں دیکھنا ۱۱۲

کہ طاقتِ ازگنی اڑنے سے پہلے میرے شہر کی  
 مری قسمت میں ٹپ کیا نہ تھی دیوارِ پتھر کی  
 جتنے زیادہ ہو گئے اتنے ہی کم ہوئے  
 اڑنے نہ پائے تھے کہ گز قنار ہم ہوئے  
 یاں تک سٹے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوئے  
 وہ لوگ رفتہ رفتہ سراپا الم ہوئے  
 تیرے سوا بھی ہم پہ بہت سے ستم ہوئے  
 ہر چند اس میں ماتہ ہمارے قلم ہوئے  
 اجڑے نالہ دل میں مے رزق ہم ہوئے  
 جو پاؤں اٹھ گئے وہی اُن کے علم ہوئے  
 جو داغِ کھنچ سکے سو دیاں آگے دم ہوئے  
 سائل ہوئے تو عاشقِ اہلِ کرم ہوئے  
 تو فسر دگی نہاں ہے بکین بے زبانی  
 کبھی کو دکی میں جس نے نہ سنی مری کہانی  
 کہ مرے حد کو یارب نے میری زندگانی  
 اک شمع ہے دلیلِ سحر سو خموش ہے  
 مدت ہوئی کہ آشتی چشم و گوش ہے  
 لے شوق یاں اجازتِ تسلیم ہوش ہے  
 کیا ادج پرستارہ گوہر فردش ہے



دیدار بادہ جو سدا ساقی نگاہ دست  
 لے تازہ دار دین بساط ہوا ہے دل  
 دیکھو مجھے جو دیدہ عبرت نگاہ ہو  
 ساقی جب لوہ دشمن ایمان آگئی  
 یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشہ بساط  
 لطف خرام ساقی و ذوق صد اے چنگ  
 یا صبح دم جو دیکھیے آکر تو بزم میں  
 داغ مسراتی صحبت شب کی جلی ہوئی  
 آتے ہیں غیب سے یہ مضامین خیال میں  
 نہ ہوئی گر مرے مرنے سے تسلی نہ سہی  
 خار خار الم حسرت دیدار تو ہے  
 مے پرستان ہم سے نہ لگانے ہی بنے  
 نفسِ قیس کہ ہے چشم و چراغ صحرا  
 ایک ہنگامے پہ پوقوف ہے گھر کی دلی  
 نہ ستائش کی متنا نہ صلے کی پروا  
 عشرتِ صحبتِ خواباں ہی غنیمت سمجھو  
 عجب نشاط سے جلاذ کے چلے ہیں ہم آگے  
 قضائے تھا مجھے چاہا خراب باد و الفت  
 غم زمانہ نے جھاری نشاط عشق کی مستی

بزم خیال میں کہ بے خروش ہے  
 نہ نثار اگر تمہیں ہوس نامے و نوش ہے  
 میری سنو جو گوش نصیحت نہ نوش ہے  
 مطرب پنپ رہن تنکین و ہوش ہے  
 دامان باغبان و کعبہ محلِ فردش ہے  
 یہ جنتِ نگاہ وہ فردوسِ گوش ہے  
 نے وہ سرور و شور نہ جوشِ خروش ہے  
 اک شمع رو گئی ہے سو وہ بھی خوش ہے  
 غالب صریر خار نوا سے سروش ہے  
 امتحان اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ سہی  
 شوقِ گلچین گلستانِ تسلی نہ سہی  
 ایک دن گزرتا ہوا بزم میں ساقی نہ سہی  
 گر نہیں شمع سیہ خانہ نیلی نہ سہی  
 فوٹ غم ہی سہی نغمہ شادی نہ سہی  
 گر نہیں ہیں مے اشعار میں معنی نہ سہی  
 نہ ہوئی غالب اگر عمرِ طبعی نہ سہی  
 کہ اپنے سانے سے سراپاؤں سے بے وقدم آگے  
 فقط خراب کھا بس چل کا مستم آگے  
 و گر نہ ہم بھی اٹھاتے تھے لذتِ الم آگے



خدا کے واسطے داد اس خون شوق کی دینا  
 یہ عمر بھر جو پریشانیاں ٹھانی ہیں ہم نے  
 دل دگر میں پر افشاں جو ایک موجوں ہے  
 قسم جنا ہے پہ آنے کی جیسے کھاتے ہیں غالب  
 شکوے کے نام سے بے مہر خطا ہوتا ہے  
 پڑھوں میں شکوے سے یوں راگ سے جیسے باجا  
 گو سمجھتا نہیں پر حسن تلافی دیکھو  
 عشق کی راہ میں ہے چرخ کوکب کی پھال  
 کیوں نہ ٹھہریں ہر نہ ناوک بیدار کہ ہم  
 خوب تھا پہلے سے ہوتے جو ہم اپنے بدخواہ  
 نالہ جاتا تھا پارے عرش سے میرا اور اب  
 غار سے سیراکہ دودے بار بار بزم سخن  
 اے شمشاد کو اک سہ و مہر علم  
 سات اقلیم کا حاصل چنہ ہم کیجے  
 ہر مینے میں جو یہ بذر سے ہوتا ہے ہال  
 میں جو گستاخ ہوں آئین غزل خوانی میں  
 رکھو غالب مجھے اس تلخ نواں میں معاف  
 ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے  
 نہ شعلے میں یہ کرشمہ نہ برق میں یہ ادا ۱۱۲

کہ اُس کے در پہ پہنچتے ہیں نامہ بر سے ہم آگے  
 تھامے آئینوں لے طرہ ہائے غم بہ غم لگے  
 ہم اپنے زعم میں جیسے ہوئے تھے اس کو دم لگے  
 ہیٹھ کھاتے تھے جو میری جان کی قسم آگے  
 یہ بھی مت کہہ کہ جو کیسے تو گلا ہوتا ہے  
 اک ذرا چھڑنے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے  
 شکوہ جو رے سرگرم جفا ہوتا ہے  
 سست رو جیسے کوئی آبلہ پا ہوتا ہے  
 آپ اٹھلاتے ہیں گر تیر خطا ہوتا ہے  
 کہ بھلا چاہتے ہیں اور بُرا ہوتا ہے  
 لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے  
 شاد کی مع میں یوں نصیرا ہوتا ہے  
 تیرے اکرام کا حق کس سے ادا ہوتا ہے  
 تو وہ شکر کا ترے نعل بجا ہوتا ہے  
 آستان پر ترے مہ ناصیہ ہوتا ہے  
 یہ بھی تیرا ہی کرم ذوق منزا ہوتا ہے  
 آج کچھ در درے دل میں سوا ہوتا ہے  
 تمہیں کہو کہ یہ انداز گفت گو کیا ہے  
 کوئی بتاؤ کہ دو شوخ تہ نہ ہو کیا ہے



یہ رشک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سخن تم سے  
 چپک رہا ہے بدن پر لہو سے پیرا ہن  
 جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا  
 رگوں میں اڑتے پھرنے کے ہم نہیں قابل  
 وہ چیز جس کے لیے ہم کو ہو بہشت عزیز  
 ہیوں شراب اگر خم بھی دیکھ لوں دو چار  
 رہی نہ طاقت گفتار اور اگر ہو بھی  
 ہوا ہے شہ کا مصاحب پھر ہے ہزار تار  
 میں انھیں چھڑوں اور کچھ نہ کہیں  
 قسم ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو  
 میری قسمت میں غم گر آتا تھا  
 آہی جاتا وہ راہ پر غالب  
 آکر مری جان کو متسار نہیں ہے  
 دیتے ہیں جنت حیات دہر کے بدلے  
 گر یہ نکالے ہے تری بزم سے مجھ کو  
 ہم سے عبث ہے گمان رنجش خاطر  
 دل سے اٹھا لطف جلوہ باے معانی  
 قتل کا میرے کیا ہے عہد تو بارے  
 تو نے قسم کے کشی کی کھائی ہے غالب ۱۵  
 تیری قسم کا کچھ اعتبار نہیں ہے  
 دگر نہ خوف بد آموزی عدو کیا ہے  
 ہماری جیب کو اب مہجت رفو کیا ہے  
 کر دیتے ہو جو آبِ راکھ جستجو کیا ہے  
 جب آنکھ ہی سے نہ پکا تو پھر لو کیا ہے  
 سوائے بادہ گھغام شکو کیا ہے  
 پیشہ وقوع و کوزہ و سبو کیا ہے  
 تو کس لیسہ پہ کیے کہ آرزو کیا ہے  
 دگر نہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے  
 چل نکلتے جو مے پیئے ہوتے  
 کاشکے تم مے لینے ہوتے  
 دل بھی یا رب کئی دیئے ہوتے  
 کوئی دن اور بھی جینے ہوتے  
 طاقت بیداد انتظار نہیں ہے  
 نشہ بہ اندازہ تمسار نہیں ہے  
 باے کہ رونے پہ اختیار نہیں ہے  
 خاک میں عشاق کی غبار نہیں ہے  
 غیر گل آئینہ ہمار نہیں ہے  
 دانے اگر عہد استوار نہیں ہے  
 تیری قسم کا کچھ اعتبار نہیں ہے



بجوم غم سے یاں تک سرنگونی مجھ کو حاصل ہے  
 رفوئے زخم سے طلب ہے لذت زخم سوزن کی  
 دو گل بس گستاخ میں جلوہ فرمائی کرے غالب  
 پایہ دامن ہو رہا ہوں بسک میں مسرا نورد  
 دیکھنا حالت مے دل کی ہم آغوشی کے وقت  
 بوں سراپا ساز آہنگ شکایت کچھ نہ چھ  
 جس بزم میں تو ناز سے گفتار میں آوے  
 سائے کی طرح ساقہ پھر میں سسرو و صوبہ  
 تب ناز گراں مانگی اشک بجا ہے  
 مے بھکو شکایت کی اجازت کہ شکر  
 اُس چشم فسون گر کا اگر پائے اشارہ  
 کانٹوں کی زباں ہو کہ گئی پیاس سے یارب  
 مر جاؤں نہ کیوں شک سے جب وہ تن نازک  
 غارتگر ناموسش ہو گر ہو سب زور  
 تب چاک گریباں کا مزہ ہے دل نالوں  
 آتشکدہ ہے سینہ مرار از نہاں سے  
 گنجیدہ معنی کا طلسم اُس کو سمجھے  
 حُسن مگر چہ بہنگام کمال اچھا ہے  
 بوسہ دیتے نہیں اور دل پہ ہے ہر لحظہ نگاہ

کہ تار دامن و تارِ نظر میں فرق مشکل ہے  
 بھید موت کہ پاس درد سے دیوانہ غافل ہے  
 چمکنا غنچہ دل کا صدائے خندہ دل ہے  
 غارِ پائیں جو ہر آئینہ زانوئے مجھے  
 ہے نگاہ آشنا تیرا سر ہر مونہ مجھے  
 ہے یہی بہتر کہ لوگوں میں چھیرے تو نہ مجھے  
 جاں کا لہجہ صورت دیوار میں آوے  
 تو اس قدر دلکش سے جو گلزار میں آوے  
 جب سخت جگر دیدہ خونبار میں آوے  
 کچھ تھجہ کو مزہ بھی مرے آزار میں آوے  
 طوطی کی طرح آئینہ گفتار میں آوے  
 اک ابد پاؤں وادی چمن میں آوے  
 آغوش غم سلسلہ زنجار میں آوے  
 کیوں شاد گل بلخ سے بازار میں آوے  
 جب اک نفس ابھا ہوا ہزار میں آوے  
 لے دئے اگر معرضِ ظہار میں آوے  
 جو لفظ کہ غالب مے اشار میں آوے  
 اُس سے میرا سرِ خورشید جمال اچھا ہے  
 جی میں کہتے ہیں کہ مفت آئے تو مال اچھا ہے







میں نے مجنوں پہ لکھن میں اس  
شک اٹھایا تھا کہ سرِ یاد آیا





اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا  
 بے طلب دیں تو مزہ اس میں سوا ملتا ہے  
 اُن کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر زہنی  
 دیکھنے پاتے ہیں عشاق تہوں سے کیا فیض  
 ہم سخن تیشے نے فریاد کو شیریں سے کیا  
 قطرہ دریا میں جو مل جائے تو دریا ہو جائے  
 خضر سلطان کو رکھے خالق اکبر سرسبز  
 ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن  
 غیر لیں محفل میں بوسے جام کے  
 خشکی کا تم سے کیا شکوہ کہ یہ  
 خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو  
 رات پی زمرم پے اور صبر دم  
 دل کو آنکھوں نے پھنسا یا کیا مگر  
 شاہ کے ہے غسل صحت کی خبر  
 عشق نے غالب نکمنا کر دیا  
 پھر اس انداز سے بہار آئی  
 دیکھو اسے ساکنان خط خاک  
 کہ زمیں ہو گئی ہے ستر ہر  
 بنزے کو جب کہیں جگہ نہ ملی

ساغر جسم سے مرا جام سفال اچھا ہے  
 وہ گدا جس کو نہ ہو خوشے سوال اچھا ہے  
 وہ سمجھتے ہیں کہ مہیا رکھا حال اچھا ہے  
 اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے  
 جس طرح کا کہ کسی میں ہو کمال اچھا ہے  
 کام اچھا ہے وہ جس کا کہ مال اچھا ہے  
 شاہ کے باغ میں یہ تازہ بہتال اچھا ہے  
 دل کے خوش رکھنے کو غالب خیال اچھا ہے  
 ہم رہیں یوں تشنہ لب پیغام کے  
 ہتھکنڈے ہیں سپرخیلی غلام کے  
 ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے  
 دھوئے دجھتے جامہ اسرام کے  
 یہ بھی حلقے ہیں تمہارے دام کے  
 دیکھئے کب دن چسپیں غلام کے  
 ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے  
 کہ ہوئے مہر و مہر تماشائی  
 اس کو کہتے ہیں عالم آرائی  
 روکش سلع چسپیں میسنائی  
 بن گیا روئے آب پر کائی



بے زہ و گل کے دیکھنے کے لیے  
 ہے ہوا میں شراب کی تاثیر  
 کیوں نہ دنیا کو ہو خوشی غالب  
 تغافل دوست ہوں میرا دماغ مجز عالی ہے  
 رہا آباد عالم اہل بہت کے نہ ہونے سے  
 کب وہ سنتا ہے کہانی میری  
 غلش غمزدہ خونِ یزید پوچھ  
 کیا بیاں کر کے مراد وینکے یار  
 ہوں ز خود رفتہ بیدائے خیال  
 متقابل ہے محنت اہل میرا  
 قدر سنگ سبر رہ رکھتا ہوں  
 گردِ بادِ رہ بے تابلی ہوں  
 دہن اس کا جو نہ معلوم ہوا  
 کر دیا ضعف نے عاجز غالب  
 نقشِ نازِ بُت طناز بہ آغوشِ قیب  
 تُو وہ بد خو کہ تحیر کو تماشا جانے  
 وہ تپ عشقِ تنہا ہے کہ پھر صورتِ شمع  
 گلشن کو تری صحبت از بسکہ خوش آنی ہے  
 واں کنگر استغنا ہر دم ہے بلندی پر

چشمِ زکس کو دی ہے بینائی  
 بادہ نوشی ہے بادِ پیمائی  
 شاہِ دیندار نے شفا پائی  
 اگر پہلوئی کیجے تو جا میری بھی خالی ہے  
 بھرے ہیں جس قدر جام و سہو سجانہ خالی ہے  
 اور پھر وہ بھی زبانی میری  
 دیکھ خونستہ بفتہ شانی میری  
 مگر آشفۃ بیانی میری  
 بھول جانا ہے نشانی میری  
 رک گیا دیکھ روانی میری  
 سنت ارزاں ہے گرائی میری  
 صرصر شوق ہے بانی میری  
 کھل گئی پیچیدائی میری  
 ننگِ پیری ہے جوانی میری  
 پائے طاؤس پے خامہ مانی مانگے  
 غم وہ افسانہ کہ آشفۃ بیانی مانگے  
 شعلہ تانہ فیض جگر ریشہ دوانی مانگے  
 ہر غنچے کا گل ہونا آغوشِ کشانی ہے  
 یاں نالے کو اور الٹا دعوائے رمانی ہے



از بسکہ سکھاتا ہے غم ضبط کے اندازے  
 جس زخم کی ہو سکتی ہو تدبیر رفو کی  
 اچھا ہے سرانگشتِ حنائی کا تصور  
 کیوں ڈرتے ہو عشاق کی بے وصلگی سے  
 دشمن نے کبھی منہ نہ لگایا ہو جگر کو  
 صد حیف وہ ناکام کہ اک عمر سے غالب  
 سیما بپشتِ گرمی آئینہ دے ہے ہم  
 آغوشِ گل کشودہ برائے وداع ہے  
 ہے وصل جگر عالمِ مستکینِ ضبط میں  
 اُس لب سے مل ہی جائیگا بوسہ کبھی تو مل  
 چاہیئے اچھوں کو جتنا چاہیئے  
 صحبتِ رنماں سے واجب ہے حذر  
 چاہئے کو تیرے کیا بھگتا دل  
 چاک مت کر جب بے ایامِ گل  
 دوستی کا پردہ ہے بیگانگی  
 دشمنی نے میری کھویا غیر کو  
 اپنی رسوائی میں کیا چلتی ہے سہمی  
 منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید  
 غافلِ ابنِ مرطعتوں کے واسطے ۱۲

جو داغِ نظر آیا اک چشمِ نائی ہے  
 لکھ دیجو یا رب اُسے قسمت میں عذوب کی  
 دل میں نظر آتی تو ہے اک بوندِ لہو کی  
 یاں تو کوئی سنتا نہیں منبرِ یاد کو کی  
 خنجر نے کبھی بات نہ پوچھی ہو گلو کی  
 حسرت میں رہے لیک بتِ عسبرہ جو کی  
 حیراں کیئے ہوئے ہیں دل بے قرار کے  
 اے عذیبِ چل کہ چلے دن بہار کے  
 معشوقِ شوق و عاشقِ دیوانہ چاہیئے  
 شوقِ فضول و جراتِ زندان چاہیئے  
 یہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہیئے  
 جائے مے اپنے کو گھینپا چاہیئے  
 بارے اب اس سے بھی سمجھا چاہیئے  
 کچھ اُدھر کا بھی اشارا چاہیئے  
 منہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہیئے  
 کس قدر دشمن ہے دیکھا چاہیئے  
 یار ہی ہنگامہ آرا چاہیئے  
 ناامیدی اُس کی دیکھا چاہیئے  
 چاہئے والا بھی اچھا چاہیئے



چاہتے ہیں خبر دیوں کو اسد  
 ہر قدم دوری منزل ہے نمایاں مجھ سے  
 درس عنوان تماشا پہ تغافل خوشتر  
 وحشت آتش دل سے شب تنہائی میں  
 غم عشاق نہ ہو سادگی آموز بتاں  
 اثر آہد سے جادو صحرائے جنوں  
 بے خودی بستر تہید فراغت ہو جو  
 شوق دیدار میں گر تو مجھے گردن مائے  
 بے کسی مائے شب جگر کی وحشت ہے  
 گردش ساغر صمد جلوہ رنگیں تجھ سے  
 نگہ گرم سے اک لگ چپکتی ہے اسد  
 نکتہ چیں ہے غم دل اس کو سنائے نہ بنے  
 میں بلامتا تو ہوں اس کو مگر اسے جذبہ دل  
 کھیل بھابھ کیس چھوڑ نہ بھول جانے  
 غیر پھرتا ہے لینے یوں ترے خط کو کہ اگر  
 اس نزاکت کا برا ہو وہ بھلے ہیں تو کیا  
 کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے  
 موت کی راہ نہ دیکھوں کہ پن آنے نہ ہے  
 بوجہ وہ سر سے گرا ہے کہ اٹھانے نہ اٹھے

آپ کی صورت تو دیکھا چاہیے  
 میری رفتار سے بھاگے ہے بیاہاں مجھ سے  
 ہے نگہ برشتہ شیرازہ محاکاں مجھ سے  
 صورت دور با سایہ گریزاں مجھ سے  
 کس قدر خانہ آئینہ ہے ویراں مجھ سے  
 صورت رشتہ گوہر ہے چراغاں مجھ سے  
 پڑے سائے کی طرح میرا شہناں مجھ سے  
 ہونگہ مثل گل شمع پریشاں مجھ سے  
 سایہ خورشید قیامت میں پنہاں مجھ سے  
 آئینہ داری یک دیدہ حیراں مجھ سے  
 ہے چراغاں خس خاشاک گلستاں مجھ سے  
 کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے  
 اُس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ پن آنے نہ بنے  
 کاش یوں بھی ہو کہ پن میرے ستائے نہ بنے  
 کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے  
 ہاتھ آئیں تو انھیں ہاتھ لگائے نہ بنے  
 پردہ چھوڑا ہے وہ اس نے کہ اٹھائے نہ بنے  
 تم کو چاہوں کہ نہ آؤ تو بلائے نہ بنے  
 کام وہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے



rekhta

آتے ہیں غیب سے یہ ضلایل خیالیں  
غالب صحرایہ نامہ نو اسے سروش ہے









عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالب  
 چاک کی نوا ہش اگر دشت بہر یابی کرے  
 جلوے کا تیرے وہ عالم ہے کہ کر کچھ خیال  
 ہے شکست سے بھی دل نوید یارب کب تک  
 میکہ دگر چشم مست ناز سے پائے شکست  
 خطِ عارض سے لکھا ہے زلف کو الفت نے عمد  
 وہ آکے خواب میں تسکین اضطراب تو نے  
 کرے ہے قتل لگاؤ میں تیرا رو دینا  
 دکھا کے جنبش لب ہی تمام کر ہسکو  
 پلا دے اوک سے ساقی جو ہم سے نفرت ہے  
 اسد خوشی سے مرے ہاتھ پاؤں پھول گئے  
 تپش سے میری وقت کشمکش ہزار بستر ہے  
 سرشک سرسجرا دادہ نور العین دامن ہے  
 خوشا اقبال رنجوری عیادت کو تم آنے ہو  
 بطوفان گاہ جوش اضطرابِ شام تنہائی  
 ابھی آتی ہے نوبالش سے اسکی زلف نکلیں ک  
 کہوں کیا دل کی کیا حالت ہے ہجر یار میں غالب  
 خطر ہے رشتہ الفت رگ گردن نہ ہو جائے  
 سمجھ اس فصل میں کوتاہی نشو و نما غالب

کہ لگانے نہ لگے اور بھانے نہ بنے  
 صبح کے مانند زمزم دل گریبانی کرے  
 دیدہ دل کو زیارت گاہ حیرانی کرے  
 آئینہ کو دہر عسریں گراں جسانی کرے  
 موے شیش دیدہ ساغر کی مرگانی کرے  
 یک قلم منظور ہے جو کچھ پریشانی کرے  
 ولے مجھے تپش دل مجال خواب تو دے  
 تری طرح کوئی تیغ نگہ کو آب تو دے  
 نہ دے جو بوسہ تو منہ سے کہیں جاب تو دے  
 پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے  
 کہا جو اس نے ذرا میرے پاؤں اب تو دے  
 مرا سر پنج بالیں ہے مرا تن بار بستر ہے  
 دل بے دست و پا افتادہ بر خور دار بستر ہے  
 فروغ شمع بالیں طالع بیدار بستر ہے  
 شمع آفتاب صبح محشر تار بستر ہے  
 ہماری دیدہ کو خواب زلیخا عار بستر ہے  
 کہ بے تابی سے ہر اک تار بستر خار بستر ہے  
 غرور دوستی آفت ہے تو دشمن نہ ہو جائے  
 اگر گل سرود کے قامت پہ پیرائش ہو جائے



فریاد کی کوئی لے نہیں ہے      نالہ پابند نے نہیں ہے  
 کیوں بولتے ہیں باغبان تو بنے      گر باغ گدائے نہیں ہے  
 ہر چند ہر ایک شے میں تو ہے      پر شہ سی تو کوئی شے نہیں ہے  
 ہاں کھائیو مست فریب ہستی      ہر چند کہیں کہے نہیں ہے  
 شادی سے گزر کہ غم نہ ہو دے      اُردی جو نہ ہو تو دے نہیں ہے  
 کیوں رد قیاس کرے ہے زاہد      نے ہے یکس کی تے نہیں ہے  
 ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالب      آخر تو کیا ہے لے نہیں ہے  
 نہ پوچھ فسق مرہم جراحستِ دل کا      کہ اس میں ریزہ الماس جزوِ عظم ہے  
 بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی      وہ اک نگہ کہ بظاہر نگاہ سے کم ہے  
 ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے      مرتے ہیں ولے اُن کی تنہا نہیں کرتے  
 در پردہ اُنہیں فیر سے ہے ربطِ نہانی      ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ پردا نہیں کرتے  
 یہ باعثِ نو میدیٰ ار باپ ہوس ہے      غالب کو بُرا کہتے ہو اچھا نہیں کرتے  
 کرے ہے بادِ ترے لب سے کپ نگِ فروغ      خطِ پیالہ سراسر نگاہِ گلچیں ہے  
 کبھی تو اس دل شوریہ کی بھی داد ملے      کہ ایک عمر سے حسرت پرستِ بالیں ہے  
 بجائے گرنے نئے نالہائے بیل زار      کہ گوشِ گلِ نمِ شبنم سے پنبہ آگیاں ہے  
 اسد بے نزع میں چل بیوفا برائے خدا      مقامِ ترکِ حجاب و وداعِ تمکین ہے  
 کیوں نہ ہو چشمِ بتاں مجھ تغافل کیوں ہو      یعنی اس بیار کو نظارے سے پرہیز ہے  
 مرتے مرتے دیکھنے کی آرزو رہ جائیگی      وائے ناکامی کہ اُس کا فر کا خیر تیز ہے  
 عارضِ گل دیکھ روئے یار یاد آیا اسد      جو شش فصل بہاری اشتیاقِ انجیز ہے



دیا ہے دل اگر اس کو بشر ہے کیا کیئے  
 یہ ضد کہ آج نہ آنے اور آنے نہ ہے  
 رہے ہیں گروے کو کوئے دوست کو اب  
 رہے کرشمہ کیوں دے رکھا ہے ہم کو فریب  
 سمجھ کے کرتے ہیں بازار میں دوپرسش حال  
 شخصیں نہیں ہے سرپرستہ وفا کا نیسال  
 انھیں حال پر مژم جنوں ہے کیوں لڑیئے  
 مدد منراے کمال سخن ہے کیا کیجے  
 کہا ہے کس نے کہ غالب برا نہیں لیکن  
 دیکھ کر درپردہ گرم دامن افشانی مجھے  
 بن گیا تیغ نگاہ یار کا سنگ فساں  
 کیوں نہ ہو بے التفاتی اس کی خاطر جمع ہے  
 میرے غم خانے کی قسمت جب تم بھنے لگی  
 بدگماں ہوتا ہے وہ کافر نہ ہوتا کاشکے  
 واسے اس بھی شور مچنے نہ دم لینے دیا  
 وعدہ آنے کا وفا کیجے یہ کیا انداز ہے  
 ہاں نشاطِ اہل فصل ہماری واہ واہ  
 دی مرے بھائی کو حق نے از سر نو زندگی  
 یاد ہے شادی میں بھی ہنگامہ یارب مجھے ۱۲۱

ہوا رقیب تو ہونا مر رہے کیا کیئے  
 قضا سے شکوہ ہیں کس قدر ہے کیا کیئے  
 اگر نہ کیئے کہ دشمن کا گھر ہے کیا کیئے  
 کہ بن کے ہی انھیں سب خبر ہے کیا کیئے  
 کہ یہ کہے کہ سر رہ گز رہے کیا کیئے  
 ہمارے ہاتھ میں کچھ ہے مگر ہے کیا کیئے  
 ہمیں جواب سے قطع نظر ہے کیا کیئے  
 ستم بہائے متاع ہمنہ ہے کیا کیئے  
 سوائے اس کے کہ آشتی سر ہے کیا کیئے  
 گر گئی وابستہ تن میری مرہانی مجھے  
 مرہا میں کیا مبارک ہے گرجانی مجھے  
 جانتا ہے مخو پرش ہائے پنهانی مجھے  
 بلکہ دیا ہنہذا اسبابِ یرانی مجھے  
 اس قدر ذوق فرائی بستانے مجھے  
 لے گیا تھا گو میں ذوق تن آسانی مجھے  
 تم نے کیوں پی پی میرے گھر کی بانی مجھے  
 پھر ہوا ہے تازہ سودائے غلامی مجھے  
 میرزا یوسف ہے غالب دوست ثانی مجھے  
 سب کو زراہ ہوا ہے خندہ زیر لب مجھے



ہے کشادہ خاطر و ابستہ در رہن سخن  
 یارب اس آشتی کی داد کس سے چاہیے  
 طبع ہے مشتاق لذت لائے مسرت کیا کروں  
 دل نکا کر آپ بھی غالب بھی سے ہو گئے  
 حضورِ شاد میں اہل سخن کی آزمائش ہے  
 قد و گیسو میں قیس کو کن کی آزمائش ہے  
 کریں گے کوہ کن کے حوصلے کا امتحان آخر  
 فیہم صحر کو کیا پیر کسماں کی ہوا خواہی  
 وہ آیا بزم میں دیکھو نہ کیو پھر کر غافل تھے  
 رہے دل ہی میں تیرا چاہا بگر کے پار بہتر  
 نہیں کچھ سمجھو ورنہ مار کے چنڈے میں گہرائی  
 پڑا رہے دل ابستہ بیتابی سے کیا حاصل  
 رگ و پے میں جب ترے زہر غم تب دیکھیے کیا ہو  
 وہ آئیں گے مرے گھر وعدہ کیا دیکھنا غالب  
 کبھی نکی بھی اس کے جی میں گرا جائے ہے مجھ سے  
 خدا یا جہ بادل کی مگر تاشیر الٹی ہے  
 وہ بدخوا اور میری داستانِ عشق طولانی  
 اوجھڑوہ جگمائی ہے ادھر یہ ناتوانی ہے  
 سنہلے دے مجھے اے نا امید ہی کیا قیاس ہے  
 ۱۲۱ کہ دامنِ خیال یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے

تھا طہر قفلِ اسجد غازیہ مکتب مجھے  
 رشکِ آسائش پہ ہے زندانیوں کی اب مجھے  
 آرزو سے ہے شکستہ آرزو مطلب مجھے  
 عشق سے آتے تھے مانع میرزا صاحب مجھے  
 چمن میں خوش فوایان چمن کی آزمائش ہے  
 جہاں ہم ہیں وہاں اور سن کی آزمائش ہے  
 ہنوز اس فست کے نیروے تن کی آزمائش ہے  
 اُسے یوسف کی بو ہے چمن کی آزمائش ہے  
 شکیب و صبر اہلِ انجمن کی آزمائش ہے  
 غرض شست بہت ناوک فتن کی آزمائش ہے  
 وفاداری میں شیخ و برہمن کی آزمائش ہے  
 مگر پھر تاب زلف پر شکن کی آزمائش ہے  
 ابھی تو تمنی کام و دہن کی آزمائش ہے  
 نئے فتنوں میں اب چمن کن کی آزمائش ہے  
 جہاں کر کے اپنی یاد شرمائے ہے مجھ سے  
 کہ جتنا کھینچتا ہوں اور کھینچتا جائے ہے مجھ سے  
 جہارتِ مختصر قاصد بھی گھبرا جائے ہے مجھ سے  
 نہ پوچھا جائے ہے سس سے نہ بولا جائے ہے مجھ سے  
 کہ دامنِ خیال یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے



تکلف برطرف نظارگی میں بھی سہی لیکن  
 ہوئے ہیں پاؤں ہی پہلے نبرد عشق میں زخمی  
 قیامت ہے کہ ہوئے مدعی کا ہم سفر غالب  
 ز بسکہ مشق تماشا جنوں علامت ہے  
 نہ جانوں کیوں کر مٹے داغ طعن بدھدی  
 بہ بیچ و تاب ہوس ملک عافیت مت توڑ  
 وفا مقابل دو عواے عشق بے بنیاد  
 لاغر اتنا ہوں کہ گر تو نرم میں جادے مجھے  
 کیا تعجب ہے کہ اُس کو دیکھ کر آجائے رحم  
 نہ نہ دکھلاوے نہ دکھلا پر بہ انداز عتاب  
 یاں تک میری گرفتاری سے وہ خوش ہے کہ میں  
 باز بہ چو اطفال ہے دنیا مرے آگے  
 اک کھیل ہے اور نگہ سلیمان سے نزدیک  
 جز نام نہیں صورت عالم مجھے منظور  
 ہوتا ہے نہاں گرد میں صحرائے ہوتے  
 مت پوچھ کہ کیا حال ہے میرا تھے چہچہے  
 سچ کہتے ہو خود میں خود آراہوں نہ کیوں ہوں  
 پھر دیکھیے انداز گل نشانی گفتار  
 نفرت کا گماں گزرے ہے میں شکست گزرا ۱۳۳  
 وہ دیکھا جائے کب ظلم دیکھا جائے ہے مجھ سے  
 نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے  
 وہ کافر خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے  
 کشادہ بست مرہ سیلی ندامت ہے  
 تجھے کہ آئینہ بھی ورطہ ملامت ہے  
 نگاہ عجز سررشتہ سلامت ہے  
 جنون سائنہ و فصل گل قیامت ہے  
 میرا ذمہ دیکھ کر گر کوئی بست لادے مجھے  
 واں تک کوئی کسی جیلے سے پہنچا دے مجھے  
 کھول کر پردہ ذرا آنکھیں ہی دکھلا دے مجھے  
 زلف گرین جاؤں تو شانے میں اُٹھا دے مجھے  
 ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے  
 اک بات ہے اعجازِ سیما مرے آگے  
 جز وہم نہیں ہستی اشیاء مرے آگے  
 گھستا ہے جیس فاک پہ دریا مرے آگے  
 تو دیکھ کہ کیا رنگ ہے تیرا مرے آگے  
 بیخا ہے بُت آئینہ سیما مرے آگے  
 رکھ دے کوئی پیما نہ مصیبت مرے آگے  
 کیونکہ کون لو نام نہ ان کا مرے آگے



ایماں مجھے ہو کے ہے ہو کھینچے ہے مجھے کفر  
عاشق ہوں پیشوق فریبی ہے مرا کام  
خوش ہوتے ہیں پر و مل میں مرنے جاتے  
ہے ہو وزن اک قلم خون کا شہی ہو  
گو ہاتھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں دم ہے  
ہم پیشہ دم شرب ہم راز ہے میرا  
کہوں جو حال تو کہتے ہوئے عا کیے  
نہ کیو طعن سے پھر تم کہ ہم سنگر ہیں  
وہیشترسی پر دل میں جب اتر جاوے  
نہیں ذریعہ راحت جراحہ پیکان  
جو مدعی بنے اُس کے نہ مدعی بنیے  
کہیں حقیقت جاں کا ہی مرض لکھیے  
کبھی شکایت رنج گراں نشیں یکجہ  
رہے نہ جان تو قاتل کو خون بہا دیجے  
نہیں بھگا کو اُلفت نہ ہو بھگا تو ہے  
نہیں بہار کو فرصت نہ ہو بہار تو ہے  
سفینہ جبکہ کنارے پہ آگیا غالب  
رونے سے اور عشق میں مینا پاک ہو گئے  
مرتب بہانے ہوئے آلات کے کشی ۱۲۲  
کبر مرے پیچھے ہے کلیت مرے آگے  
مجنوں کو بُرا کہتی ہے لیلے مرے آگے  
آئی شب بھراں کی مست مرے آگے  
آتا ہے ابھی دیکھیے کیا کیا مرے آگے  
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے  
غالب کو بُرا کیوں کہو اچھا مرے آگے  
تھیں کہو کہ جو تم یوں کہو تو کیا کیے  
مجھے تو خو ہے کہ جو کچھ کہو بجا کیے  
بھگا و ناز کو پھر کیوں نہ آشنا کیے  
وہ زخم تیغ ہے جس کو کہ دکشا کیے  
جو نامزائے اُس کو نہ ناسزا کیے  
کہیں مصیبت ناسازی دوا کیے  
کہیں حکایت صبر گریز پا کیے  
کئے زبان تو خنجر کو جربا کیے  
روانی روش وستی ادا کیے  
طرادست چمن و خوبی ہوا کیے  
خدا سے کیا ستم و جور نا خدا کیے  
دھوئے گئے ہم اتنے کہ بس پاک ہو گئے  
تھے یہی دو حساب سونوں پاک ہو گئے



رسوائے دہر گو ہوئے آوارگی سے تم  
 کتا ہے کون نالہ بلبل کو بے اثر  
 پوچھے ہے کیا وجود و عدم اہل شوق کا  
 کرنے گئے تھے اس سے تغافل کا ہم گلد  
 اس رنگ سے اٹھائی گل اُس نے اسد کی نش  
 نشہ با شاداب رنگ و ساز با ستِ طرب  
 ہم نشین مت کہہ کر ہم کر نہ نرم عیش و دست  
 عرض ناز شوخی دندان برائے خندہ ہے  
 ہے عدم میں غصہ موجِ عبرت انجام گل  
 کھفت افسردگی کو عیش بیتابی سر ام  
 سوزشِ باطن کے میں اجباب نکدہ دنیاں  
 حسن بے پردا خریدار متاعِ جلوہ ہے  
 تما کجا اے آگہی رنگ تماشا بافتن  
 جب تک دہان زخم نہ پیدا کرے کوئی  
 عالم غبارِ وحشتِ مجنون ہے سر بر  
 افسردگی نہیں طرب انشاءِ القات  
 رونے سے اے ندیم طاعت نہ کر مجھے  
 چاک جگر سے جب رو پرش نہ دہونی  
 تخت جگر سے ہے رگ بر خدایا گل ۱۲۵  
 بارے طبیعتوں کے تو چالاک ہو گئے  
 پردے میں گل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے  
 آپ اپنی آگ کے خس و خاشاک ہو گئے  
 کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے  
 دشمن بھی جس کو دیکھ کے غناک ہو گئے  
 شیش اے سر و سبز جو بس بارِ نغمہ ہے  
 واں تو میرے نامے کو بھی اعتبار نغمہ ہے  
 و عوے جمیعت اجباب جائے خندہ ہے  
 یک جہاں زانو تا ثل در قضاے خندہ ہے  
 در نہ دندان در دل افشردن بنائے خندہ ہے  
 دل میطہ گریہ و لب آشنائے خندہ ہے  
 آئینہ زانوئے فکرِ نخستہ راعِ جلوہ ہے  
 چشم و اگر دیدہ آغوش و دواعِ جلوہ ہے  
 مشکل کہ تجھ سے راہِ سخن واکرے کوئی  
 کب تک خیال طرۃ لیلیے کرے کوئی  
 ہاں دردِ بن کے دل میں گرجا کرے کوئی  
 آخر کبھی تو عقدہ دل واکرے کوئی  
 کیا فائدہ کہ جیب کو رسوا کرے کوئی  
 تا چند باغبانی صحرایا کرے کوئی



ناکامی گھاہ ہے برقِ نظارہ سوز  
 برنگِ دشت ہے صد بگوشِ گشت  
 سرِ بونی نہ وہ صبرِ آسمان سے عمر  
 ہے وحشتِ طبیعتِ ایجابِ دیاں خیز  
 بیکارِ بنوں کو ہے سرِ پٹنے کا شغل  
 سنِ فروغِ شمعِ سخن دور ہے اسد  
 ابنِ مریم ہوا کرے کوئی  
 شرعِ آئین پر مدار سہی  
 پال جیسے کڑی کمان کا تیر  
 بات پر واں زبان کشتی ہے  
 بک راہوں جنوں میں کیا کیا کچھ  
 نہ سونگر بُرا کسے کوئی  
 روک لو گر غلط چلے کوئی  
 کون ہے جو نہیں ہے عاجز نہ  
 کیا کیا خضر نے سکندر سے  
 جب توقع ہی اٹھ گئی غالب  
 بہت سی فہم گیتی شراب کم کیا ہے  
 تھاری طرزِ دروش جانتے ہیں ہم کیا ہے  
 سخن میں غارِ غالب کی آتش افشانی ۱۰۹  
 یقین ہے ہم کو بھی لکین ابس میں کیا ہے

تو وہ نہیں کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی  
 نقصان میں جنوں سے جو سودا کرے کوئی  
 فرمت کہاں کہ تیری تمنا کرے کوئی  
 یہ درود وہ نہیں کہ نہ پیدا کرے کوئی  
 جب اٹھ ٹوٹ جائیں پھر کیا کرے کوئی  
 پہلے دل گشتِ پیداکرے کوئی  
 میرے دکھ کی دوا کرے کوئی  
 ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی  
 دل میں ایسے کے جا کرے کوئی  
 وہ کہیں اور سنا کرے کوئی  
 کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی  
 نہ کو گر بُرا کرے کوئی  
 بخش دو گر خطا کرے کوئی  
 کس کی حاجت داکرے کوئی  
 اب کسے رہنا کرے کوئی  
 کیوں کسی کا بگڑ کرے کوئی  
 غلام ساقی کو ترہوں بھکھو غم کیا ہے  
 رقیب پر ہے اگر لطف تو ستم کیا ہے  
 یقین ہے ہم کو بھی لکین ابس میں کیا ہے







کشا کش ہائے ہستی سکرے گیا سہلی زادی  
نہونی زنجیر مویں آب کو فرصت روانی کی





باغ پاکر خفقانی یہ ڈراتا ہے مجھے

جو ہر تیغ و سریشہ دیگر مسموم

مذعاجو تماشائے شکست دل ہے

نالہ سراپا یک عالم و عالم کعب خاک

زندگی میں تو وہ محفل سے اٹھا دیتے تھے

روندی ہوئی ہے کوکبہ شہریار کی

جب اس کے دیکھنے کے لیے تین بادشاہ

نکلے نہیں ہیں سرگشتاں کے ہم دے

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم بکھلے

ڈرے کیوں میرا قاتل کیا رہیگا اس کی گردن پر

نکلنا خلد سے آدم کا سُننے آئے ہیں لیکن

بھرم کھل جانے عالم تیرے قامت کی درازی کا

مگر لکھوائے کوئی اس کو خط تو ہم سے لکھوائے

ہوئی اس دور میں منسوب مجھ سے بادہ آشامی

ہوئی جن سے توقع حشنگی کی داد پانے کی

محبت میں نہیں ہے فرق بیٹنے اور مرنے کا

کہاں میخانہ کا دروازہ غالب اور کہاں مٹا

کوہ کے ہوں بارِ خاطر گرجا ہوا جائے

بیضہ آسانگ بال و پر ہے کچھ نفس

سایہ شاخ گل افی نظر آتا ہے مجھے

ہوں میں وہ سبز و کز بزمِ لگا تا ہے مجھے

آئینہ خانے میں کوئی لینے جاتا ہے مجھے

آسمان بیضہ قمری نظر آتا ہے مجھے

دیکھوں اب مر گئے پر کون اٹھا تا ہے مجھے

اُترائے کیوں نہ خاک سبر بگزار کی

لوگوں میں کیوں نمود نہ ہو لا زار کی

کیونکہ نہ کھائیے کہ ہوا ہے ہمار کی

بست نکلی مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلی

وہ خوں جو چشم تر سے فخر بھریں و مہم نہ نکلی

بست بے آبرو ہو کر ترے کوپے سے ہم نکلی

اگر اس طرۂ پر بیچ دسم کا بیچ و خم نکلی

ہوئی صبح اور گھر سے کان پر رکھ کر قلم نکلی

پھر آیا وہ زمانہ جو جہاں میں جا ہم بس نکلی

وہ ہم سے بھی زیادہ خستہ تیغ ستم نکلی

اُسی کو دیکھ کر بیٹھے ہیں جس کا فر پہ دم نکلی

پر اتنا جانتے ہیں کل وہ باتا تھا کہ ہم نکلی

جے بکھلتے اسے شرابِ جستہ کیا ہو جائے

از سر نو زندگی ہو گر رہا ہو جائے



مستی بذوق غفلت ساقی ہلاک ہے  
 جز زخم تیغ ناز نہیں دل میں آرزو  
 جوش جنوں سے کچھ نظر آتا نہیں اس  
 لب عیسیٰ کی مہنش کرتی ہے گہوارہ جنبانی  
 آمد سیلاب طوفان صدائے آب ہے  
 بزمِ دشت کہہ ہے کس کی شہمت کا  
 ہوں میں بھی تماشائی نیزنگ تماشا  
 سیاہی جیسے گر جائے دم تحریر کا غد پر  
 ہجوم نال حیرت عاجز عرض یک افغاں ہے  
 تکلف برطنت ہے بانستاں تر لطف بدخویاں  
 ہوئی یہ کثرت غم سے تلف کیفیت شادی  
 دل و دین نقد لاساقی سے گر سودا کیا چاہے  
 غم آغوش بھلا میں پرورش دیتا ہے عاشق کو  
 خموشیوں میں تماشا ادا نکلتی ہے  
 فشارِ تنگی خلوت سے بنتی ہے شبنم  
 نہ پوچھ سینہ عاشق سے آپ تیغ نگاہ  
 جس جانفیس شانہ کش زلف یار ہے  
 کہ کل سراغ جلوہ ہے حیرت کو لے خدا  
 ہے ذرہ ذرہ تنگی جا سے غبارِ شوق ۱۲  
 موج شراب یک مژدہ خواب ناک ہے  
 بیب خیال بھی ترے اقصیٰ چاک ہے  
 صحرا ہماری آنکھ میں یک شت خاک ہے  
 قیامت کشتہ لعل بتاں کا خواب سب گیس ہے  
 نقش پا جو کان میں رکھا ہے انگلی جاوے  
 شیشے میں جن پری پہنا ہے موجِ باد سے  
 مطلب نہیں کچھ اس سے کو طلب ہی برائے  
 مری قسمت میں کو تو تصویر ہے شے مجراں کی  
 خموشی ریشہ صد نیستاں سے خس بندہاں ہے  
 نگاہ بے حجاب ناز تیغ تیز عریاں ہے  
 کہ صبح مید مجھ کو بد تراز چاک گریباں ہے  
 کہ اس بازار میں ساغر متاع دستگوداں ہے  
 چراغ روشن اپنا قلزم سرصر کا مرجاں ہے  
 نگاہ دل سے تری سرور سا نکلتی ہے  
 صبا جو غنچہ کے پردے میں بانکلتی ہے  
 کہ زخمِ روزن در سے ہوا نکلتی ہے  
 ناز و باغ آہوے دشتِ تار ہے  
 آئینہ فرش شش جہت انتظار ہے  
 گردام یہ ہے دھت صحرا شکار ہے



سرخ پا کر شفق تانی یہ دیراتا ہے مجھے  
سایہ شاخ گل نمی نظر آتا ہے مجھے









دلِ قہری و دیدہ بناؤ عاقلیت  
 چھڑکے ہے شبنم آئینہ برگ گل پر آب  
 بیچ آپڑی ہے وعدہ دلدار کی مجھے  
 بے پردہ سوئے وادی مجنوں گرز زکر  
 اے عذیب یک کعب خس بہر آشیاں  
 دل مت گنوا خبر نہ سہی سہری سہی  
 غفلت کفیل عمر و سہ ضامن نشاط  
 آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے  
 حسرت نے لار کھاتری بزم خیال میں  
 پھونکا ہے کس نے گوشِ محبت میں اے خدا  
 سر پر ہجوم دروغ سر ہی سے ڈیالے  
 ہے چشمِ تریں حسرت دیدار سے نہاں  
 درکار ہے شگفتہ گھماے عیش کو  
 غالب بڑا نہ مان جو واعظ بڑا کے  
 شبنم بگل دلال نہ خالی زاد ا ہے  
 دل غم شدہ کشمکش حسرت دیدار  
 شعلے سے نہ ہوتی ہوس شعلہ نے جو کی  
 تماشال میں تیری ہے وہ شونی کہ بعد ذوق  
 قمری کعب خاکستر و بیلِ قفسِ رنگ ۱۳۷  
 نظارہ کا منتظر پھر رو بکار ہے  
 اے عذیب قت و دواع بہار ہے  
 وہ آئے یا نہ آئے یہ یاں انتظار ہے  
 ہر فنے کے نقاب میں دل بقرار ہے  
 طوفان آمدِ افسرِ فصل بہار ہے  
 اے بے دماغ آئینہ تماشال دار ہے  
 اے مرگ ناگماں تجھے کیا انتظار ہے  
 ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے  
 گلہ سنیہ بگاہ سوید اکہیں جسے  
 افسونِ تنہا رتہ سا کہیں جسے  
 وہ ایک مشت خاک کہ صحر اکہیں جسے  
 شوقِ غماں کی سنت دریا کہیں جسے  
 صبح بہار چنہ بے مینا کہیں جسے  
 ایسا بھی کوئی ہے کہ سب بچا کہیں جسے  
 دلِ غم دل بے درد نظر گاہ حیا ہے  
 آئینہ بہست بہت بہست خنا ہے  
 جی کس قدر افسردگی دل پہ چلا ہے  
 آئینہ بہ اندازِ گل آغوش کشا ہے  
 اے نار نشان جگر سوخت کیا ہے



خوشے تری افسردہ کیا دشت دل کو  
 مجبور ہی دو ہوا سے گرفتاری الفت  
 معلوم ہوا حالِ خمیہ این گزشتہ  
 نے پر تو نہ بشیہ جہاں تاب ادھر بھی  
 ناکردہ گناہوں کی بھی مسرت کی بے داد  
 بیگانگی خلق سے بے دل نہ ہو غالب  
 منظور تھی یہ شکل تجسلی کو نور کی  
 اک خوشچکان کفن میں کروڑوں بناؤ ہیں  
 واعظ نہ تم پیو نہ کسی کو پلاسکو  
 زمانہ ہے مجھ سے حشر میں قاتل کہ کیوں اٹھا  
 آمد بہار کی ہے جو بلبل ہے نغمہ سنج  
 گواہ نہیں یہ وہاں کے نکالے ہوئے تو ہیں  
 کیا فرض ہے کہ سب کو بے ایک سا جواب  
 گرمی سہی کلام میں لیکن نہ اس قدر  
 غالب گر اس سفر میں مجھے ساتھ لے لیں  
 غم کھانے میں بودا دلِ ناکام بہت ہے  
 کہتے ہوئے ساقی سے حیا آتی ہے ورنہ  
 نے تیر کماں میں ہے نہ صتیاد کیس میں  
 کیا زہ کو مانوں کہ نہ ہو گر چہ ریائی

ممشوق و بے وصلگی طرف بلا ہے  
 دستِ ترنگ آمد و بیان وفا ہے  
 تیغِ ستم آئینہ تصویرِ فنا ہے  
 سانے کی طبع ہم پر محبت پڑا ہے  
 یارب اگر ان کرو گناہوں کی سزا ہے  
 کوئی نہیں تیرا تو مری جان خدا ہے  
 قسمت کھلی ترے قد و رخ سے ظہور کی  
 پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پر جوڑ کی  
 کیا بات ہے تھکاری شرابِ ظہور کی  
 گویا بھی سنی نہیں آوازِ صورت کی  
 اڑتی سی اک خبر ہے نہ بانی ظہور کی  
 کہنے سے ان توں کو بھی نسبت ہے دور کی  
 آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ ظہور کی  
 کی جس سے بات اُس نے شکایتِ ضرور کی  
 چچ کا ثواب نذر کروں گا حضور کی  
 یہ رنج کہ کم ہے مے گھگھام بہت ہے  
 ہے یوں کہ مجھے دُرو پہ جام بہت ہے  
 گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے  
 پاداشِ عمل کی طبعِ حسام بہت ہے



بہتر خط سے تراکمال ہر کس نہ دیا  
یہ نثر و بھی مزید بے دم ہستی نہ دینا





Portrait of a woman in a sari





میں اہل خرد کس روشنی خاص پہ نازیں  
 زرم ہی پہ چھوڑ دیکھے کیا طوف حرم سے  
 ہے قمر گراب بھی نہ بنے بات کو ان کو  
 خوں ہو کے جگر آنکھ سے چکا نہیں لے مرگ  
 ہوگا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے  
 مدت ہوئی ہے یار کو مہاں کیے ہوئے  
 کرتا ہوں جمع پھر سب گشتِ نعت کو  
 پھر وضع احتیاط سے رکنے لگا ہے دم  
 پھر گرم نالہاٹے شہر بار ہے نفس  
 پھر پشیم جراتِ دل کو چلا ہے عشق  
 پھر بھر رہا ہوں خارِ مرگھاں بہ خونِ دل  
 باہد گر ہوئے ہیں دل و دیدہ پھر رقیب  
 دل پھر طوائف کوئے طامت کو بجائے ہے  
 پھر شوق کر رہا ہے خسریا کی طلب  
 وہ ہے پھر ہر ایک گلِ لالہ پر خیال  
 پھر چاہتا ہوں ناسٹہ دلدار کھولنا  
 مانگے ہے پھر کسی کو لبِ بام پر ہوس  
 چاہے ہے پھر کسی کو مقابل میں آرزو  
 اک نو بہارِ ناز کو تاکے ہے پھر نگاہ

پاسیگی رسم و رد عام بہت ہے  
 آلودہ ہے جاہِ اسرام بہت ہے  
 ہیکار نہیں اور مجھے ابرام بہت ہے  
 رہنے دے مجھے یاں کہ ابھی کام بہت ہے  
 شاعر تو وہ اچھا ہے پہ بدنام بہت ہے  
 جوشِ قمع سے بزمِ چراغاں کیے ہوئے  
 عرصہ ہوا ہے دعوتِ مرگھاں کیے ہوئے  
 برسوں ہوئے ہیں چاک گریباں کیے ہوئے  
 مدت ہوئی ہے سیرِ چراغاں کیے ہوئے  
 سامانِ مسہ ہزار نمکداں کیے ہوئے  
 سازِ چمن طسرازی دماں کیے ہوئے  
 نظارہ و خیال کا سامان کیے ہوئے  
 پسندار کا صنم کہہ دیں کیے ہوئے  
 عرضِ شمعِ عقل و دل و جاں کیے ہوئے  
 صد گلستاں نگاہ کا سامان کیے ہوئے  
 جاں نذر و نفسِ بی مہاں کیے ہوئے  
 زلفِ سیاہ رخ پہ پریشاں کیے ہوئے  
 سرے سے تیز دشنہ مرگھاں کیے ہوئے  
 چہرہ فروغ نے سے گلستاں کیے ہوئے



پھر جی میں ہے کہ درپہ کسی کے پٹے رہیں  
 جی دھونڈتا ہے پھر وہی فرسکے راشن  
 غالب ہیں نہ چھیر کہ پھر جوش اشک سے  
 نوید امن ہے بیداد دوست جاں کے لیے  
 بلا سے گر مرثیہ یار تشنہ خوں ہے  
 وہ زندہ ہم نہیں کہ ہیں روشناس خلق نے خضر  
 رہا بلا میں بھی میں مبتلا سے آفت رشک  
 فلک نہ دور رکھ اُس سے مجھے کہ میں ہی نہیں  
 مثال یہ مری کو کبشش کی ہے کہ مرغ اسیر  
 گدا بھگت کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئے  
 بقدر شوق نہیں نظر بتنگنا سے غزل  
 دیا ہے خلق کو بھی تا اُسے نظر نہ لگے  
 زباں پر بارِ مُند ایا یہ کس کا نام آیا  
 نصیر دولت و دیں اور مبین ملت و ملک  
 زمانہ عہد میں اُس کے ہے مجھ آرایش  
 ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے  
 ادائے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا ۱۵۴  
 سر زبیر بارِ مُست درباں کیے ہوئے  
 بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کیے ہوئے  
 بیٹھے ہیں ہم تہیہ طوفاں کیے ہوئے  
 رہی نہ طرزِ مست کوئی آسماں کے لیے  
 رکھوں کچھ لہنی بھی مرگھان خوفشاں کے لیے  
 نہ تم کہ چور بنے عسیر ہما دواں کے لیے  
 بلائے جاں ہے ادا تیری اک جہاں کے لیے  
 دراز دوستی قاتل کے استہساں کے لیے  
 کرے نفس میں فراہم خنک شایاں کے لیے  
 اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کے لیے  
 کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لیے  
 بنا ہے عیشِ جمیل حسین خاں کے لیے  
 کو میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے  
 بنا ہے چرخِ بریں جس کے آستان کے لیے  
 بنیں گے اور ستارے اب آسماں کے لیے  
 سفینہ چاہیے اس کعبہ بیکراں کے لیے  
 صلائے عام ہے یارِ ان نکتہ دواں کے لیے





# قصائد

ساز یک دزد نہیں فیضِ یمن سے بیکار  
 سستی بادِ صبا سے ہے بھرِ بھڑ  
 سبز ہے جامِ زمرہ کی طرح داغِ پلنگ  
 سستی ابر سے کلہاڑیوں کی طرح ہے حسرت  
 کوہِ صحرایہ مسموری شوقِ لبیل  
 سونے ہے فیضِ ہوا صورتِ مرگنِ تیم  
 کاٹ کر پھینکے ناخن تو باندازِ ہلال  
 کعبہ ہر خاکِ جگہوں شدہ قری پرواز  
 سیکڑے میں ہو اگر آرزوئے گھمبیری  
 موجِ گل دھندلے بخلوت کدہ غنچہ باغ  
 کھینچے گر مانی اندیشہ چین کی تصویر  
 نعل سے کی ہے پئے زفرِ مدحتِ شاہ  
 وہ شہنشاہ کہ جس کی پے تعمیرِ سرا  
 فلکِ العرش جو ہم خمِ دو ششِ مزدور  
 سبز و زرد چین یک خطِ پشت لبِ بام  
 داس کی خاشاک سے حاصل ہو جے یک کاکہ ۱۵۵  
 سایہ لالا بیدارِ سویدانے سار  
 ریزہ شیشے سے جو ہر تیغِ کسار  
 تازہ ہے ریشہ مارِ بچِ صفتِ بے شرار  
 کہ اس آغوش میں ممکن ہے دو عالم کا شمار  
 راہِ خواہید ہوئی خندہ گل سے بیدار  
 سرِ نوبت دو جہاں ابر بیکِ سطرِ غبار  
 قوتِ نامیہ اس کو بھی نہ چھوٹے بیکار  
 دامِ ہر کاغذِ آتش زدہ طاؤسِ شکار  
 بھول جا یک قبیح باوہ بظاہرِ گلزار  
 گم کرے گوشہٴ میخانہ میں گر تو دستار  
 سبز مثل خطِ نو خیسر ہو خطِ پرکار  
 طوطی سبزہ کسار نے پیدا منتار  
 چشمِ جبریل ہوئی قالبِ خشتِ دیوار  
 ریشہ فیضِ ازل سازِ ظنابِ مسمار  
 وقتِ بہت صد عارف یک دمِ حصار  
 وہ رہے مردِ بالِ پری سے بزار



خاک صحرائے نجف جو ہر سیرِ فرخا  
 ذرہ اس گرد کا غور شید کو آئینہ ناز  
 آفرینش کو ہے اس سے طلبِ سستی ناز  
 فیض سے تیرے ہے لے شمعِ شبستان بہار  
 شکلِ طاووس کرے آئینہ خانہ پرداز  
 تیری اولاد کے غم سے ہے بونے لگاؤں  
 ہم عبادت کو تر نقش قدمِ مہر ناز  
 مع میں تیری نہاں زمر زلفتِ نبی  
 جو ہر دستِ دعا آئینہ یعنی تاثیر  
 مردِ مک سے ہو عزاء خانہ اقبال نگاہ  
 دشمنِ آلِ نبی کو بہ طرب خانہ ہر  
 دیدہ تادلِ ہمد آئینہ یک پر تو شوق  
 دہر جز جلوہ یکستانِ معشوق نہیں  
 بیدلِ ہائے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق  
 ہرزہ ہے نغمہ زیر و بم بستی و عدم  
 نقشِ معنی ہر خیالِ عارض صورت  
 لافِ دانش غلط و نفعِ عبادت معلوم  
 مثلِ مضمون و فاباد بدستِ تسلیم  
 عشقِ بیڑی شیرازہ اجزائے حواس ۱۵۶  
 پہنچ نقش قدم آئینہ بخت بیدار  
 گردِ اس دشت کی امید کو احرام بہار  
 عرضِ خیالِ زہدِ عباد ہے ہر موجِ عباد  
 دل پروانہ چراغاں پر بلبلِ گلزار  
 ذوق میں جلوہ کے تیرے ہوئے دیدار  
 سلکِ اختر میں بہ نو مشاہد گو ہر بار  
 ہم ریاضت کو ترے حوصلے سے استظہار  
 جام سے تیرے عیاں بادہ جوشِ اسرار  
 یک طرف نازش مہکانِ دگر سو غمِ خار  
 خاکِ در کی تری جو چشم نہ ہو آئینہ وار  
 عرضِ خیالِ زہدِ سیلاب ہو طلاقِ دیوار  
 فیضِ معنی سے خطِ ساغرِ راقم سرشار  
 ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود میں  
 بیکسی ہائے تناکہ نہ دنیا ہے نہ دیں  
 لغو ہے آئینہ فرق جنون و تمکین  
 سخنِ حق ہم پیمانہ ذوقِ تحمیں  
 ذریعہ ساغرِ فطرت ہے چہ دیا و چڑیں  
 صورتِ نقش قدم خاک بفرق تمکین  
 وصل زنگارِ مرغ آئینہ حسنِ نقین



کو کین گرسنہ مزدور طرب گاہ رقیب  
 کس نے دیکھا نفس اہل دغا آتش خیز  
 سامع زمرہ اہل جہاں ہوں لیکن  
 کس قدر ہرزہ سرا ہوں کہ عیاذاً باشد  
 نقش لاول لکھ اے خامہ ہڈیاں تحریر  
 منظر فیض خدا جان و دل خستہ رسل  
 ہو وہ سرمایہ ایجاد جہاں گزم خرام  
 جلوہ پرداز ہو نقش قدم اس کا جس جا  
 نسبت نام سے اس کے ہے یہ رتبہ کہ ہے  
 فیض خلق اس کا ہی شامل ہے کہ تو تاپے سدا  
 بزش تیغ کا اس کی ہے جہاں میں چرچا  
 کفر سوز اس کا وہ جلوہ ہے کہ جس سے ٹوٹے  
 جان پناہ دل و جان فیض سانا شاہ  
 جسم اطہر کو ترے دو شش بویہر منبر  
 کس سے ممکن ہے تری مع بغیر از واجب  
 آستان پر ہے ترے جو ہر تپائے سنگ  
 تیرے در کے لیے اسباب شمار آمادہ  
 تیری رحمت کے لیے ہیں لاجاں کام و زباں  
 کس سے ہو سکتی ہے تیری مدوح خدا ۱۵۰  
 کس سے ہو سکتی ہے آرایش فردوس  
 کس نے پایا اثر نالا و لما سے حویں  
 نہ سرد برگ ستایش نہ دماغ نفوس  
 یک قلم خارج آداب دستار و تکلیں  
 یا علی عرض کراے فطرت و سواس قرین  
 قبلہ آل نبی کعبہ ایجاب یقین  
 ہر کتب خاک ہے داں گردہ تصویریزیں  
 وہ کتب خاک ہے ناموس دو عالم کی امیں  
 ابد پشت فلک غم شدہ نازز میں  
 بوئے گل سے نفس باو بسا عطر آگیں  
 قطع ہو جائے نہ سررشتہ ایجاد کیں  
 رنگ عاشق کی طرح رونق بختانہ ہیں  
 وہی ختم رسل تو ہے بقوا اے یقین  
 نام نامی کو ترے نامیہ عرش نگیں  
 شعلہ شمع مگر شمع پہ باندھے آئیں  
 رقم بندگی حضرت جبریل امیں  
 خاکیں کو جو خدا نے دیے جان و دل و دیں  
 تیری تسلیم کو ہیں لوح و قلم دست و جبین  
 کس سے ہو سکتی ہے آرایش فردوس



جنس باز ارماعی اسے اندھ اسد  
 شہ فی عرض مطالب میں ہے گستاخ طلب  
 دے دعا کو مری وہ مرتپا حسن قبول  
 غم شیرے ہو سینہ میاں تک برین  
 طبع کو انفت ذلہل میں یہ سرگرمی شوق  
 دل انفت نب و سینہ تو حیدہ فضا  
 صرف ادا اثر شمس دود و دوزخ  
 ہاں سرفروشنیں ہم اُس کا نام  
 دودن آیا ہے تو نظر دم مسج  
 بارے دودن کہاں رہا غائب  
 اڑ کے جاتا کہاں کہ تاروں کا  
 مرہا اے سرور خاص خواص  
 مذر میں تین دن نہ آنے کے  
 اُس کو بھولا نہ چاہیے کنا  
 ایک میں کیا کہ سب نے جان لیا  
 راز دل مجھ سے کیوں چھپاتا ہے  
 جانتا ہوں کہ آج دنیا میں  
 میں نے مانا کہ تو ہے حلقہ بگوش  
 جانتا ہوں کہ جانتا ہے تو ۱۵۰ تب کما ہے بطر ز اسفنام  
 کہ سواتیرے کوئی اُس کا خریدار نہیں  
 بے ترے حصد فضل پر ازبک یقیں  
 کہ اہابت کے ہر حرف پہ سو بار آئیں  
 کہ رہیں خون جگر سے مری آنکھیں رنگیں  
 کہ جہاں تک چلے اُس سے قدم اور مجھ سے نہیں  
 نگہ جلوہ پرست و نفس صدق گزین  
 وقت اجاب گل و سنبھل فردوس یں  
 جس کو تو جھک کے کر رہا ہے سلام  
 یہی انداز اور یہی اندام  
 بندہ عاجز ہے گردش ایام  
 آسمان نے بھرا رکھا قدام  
 جنڈا اے نشاط عام عوام  
 لے کے آیا ہے عید کا پیغام  
 صبح جو جائے اور آئے شام  
 تیسرا اعزاز اور ترا انجام  
 مجھ کو سمجھا ہے کیا کہیں تمام  
 ایک ہی ہے امید گاہ انام  
 غالب اُس کا مگر نہیں ہے غلام  
 تب کما ہے بطر ز اسفنام



مہر تاباں کو ہو تو ہو اسے ماہ  
 تجھ کو کیا پایہ روشناسی کا  
 جانتا ہوں کہ اس کے فیض سے تو  
 ماہ بن مانتا بن میں کون  
 میرا اپنا جسدِ اسماء ہے  
 ہے مجھے آرزوئے بخششِ خاص  
 جو کہ بخشنے کا تجھ کو خیرِ فروغ  
 جبکہ چودہ من ازلِ نسلی  
 تیرے پر تو سے ہوں فروغِ پذیر  
 دیکھنا میرے ماتھے میں لبریز  
 پھر غزل کی روشنی چل نکلا  
 زہرِ غم کر چکا تھا میرا کام  
 نے ہی پھر کیوں نہیں پیئے جاؤں  
 بوسہ کیسا یہی نصیب ہے  
 کہے میں جا بجا نہیں گے ناتوس  
 اس قلع کا ہے دور مجھ کو نقد  
 بوسہ دینے میں اُن کو ہے انکار  
 چھیڑتا ہوں کہ اُن کو غصہ آئے  
 کہ چکامیں تو سب کچھ اب تو کہ ۱۵۹  
 قریب ہر روزہ بر سبیلِ دوام  
 جز بہ تقریبِ عیدِ ماہِ صیام  
 پھر بتا چاہتا ہے ماہِ تمام  
 مجھ کو کیا بانٹ دے گا تو انعام  
 اور کے لین دین سے کیا کام  
 گر تجھے ہے ایسا برکتِ عام  
 کیا نہ دے گا مجھے مٹے گلہ نام  
 کہ چکی قطع تیرے تیزیِ گام  
 کئے دھکے دھمن و منظورِ بام  
 اپنی صورت کا اک بلوریں جام  
 تو بن طبع چاہتا تھا گام  
 تجھ کو کس نے کہا کہ ہو بہ نام  
 غم سے جب ہو گئی ہو زیستِ حرام  
 کہ نہ بھیس وہ لذتِ دشنام  
 اب تو باندھا ہے دیر میں احرام  
 چرخ نے لی ہے جس سے گردشِ ام  
 دل کے لینے میں جن کو تھا ابرام  
 کیوں رکھوں ورنہ غالب اپنا نام  
 لے پری چہرہ پیک تیز خرام



کون ہے جس کے در پہ ناصیہ سا  
 تو نہیں جانتا تو مجھ سے سُن  
 قبضہ چشم و دل بہادر شاہ  
 شہسوار طرعتِ انصاف  
 جس کا ہر فصل صورتِ ابھار  
 بزم میں سیسہ زبان قیصر مہم  
 اے ترا لطف زندگی فستا  
 چشم بہ دور خسروائے شکوہ  
 جان نثاروں میں تیرے قیصر روم  
 وارث ملک جانتے ہیں تجھے  
 زور بازو میں مانتے ہیں تجھے  
 مرجا موشگافی ناوک  
 تیر کو تیرے تیر غیسر بدت  
 رعد کا کر رہی ہے کیا دم بند  
 تیرے فیل گراں جنت کی صدا  
 فن صورت گری میں تیرا گزر  
 اُس کے مضروب کے سرو تن سے  
 جب ازل میں رستم پذیر ہوئے  
 اور اُن اوراق میں بہ کلک قضا ۱۶۰  
 ہیں مرد و مرد زہر و بہرام  
 نام شاہنشہ بلند مقام  
 مظہر ذوالجلال و الاکرام  
 نو بہارِ سعادتِ اسلام  
 جس کا ہر قول مبنی الہام  
 رزم میں استادِ رستم و سام  
 اے ترا عہدِ فرخنی فرجام  
 لوحش اللہ عارفانہ کلام  
 جرم خواروں میں تیرے مرشدِ جام  
 ایرج و تور خسرو و بہرام  
 گیو - گودرز و بیشن و رہام  
 افسریں آبادی مصم  
 تیغ کو تیرے تیغِ خصم نیام  
 برق کو دے رہا ہے کیا الزام  
 تیرے خشیں بہک غنا کا خزام  
 گر نہ رکھتا ہو دستِ گاہ تمام  
 کیوں نمایاں ہو صورتِ ادغام  
 صفحہ اے لیسالی و ایام  
 مہلا منشہ درج ہوئے احکام







تھوڑی سی جہادِ راہِ فنا غالب  
مگر یہ شیرازہ ہے عالم کے اجنبانے پر شاں کا





لکھ دیا شاہدوں کو عاشق کُش  
 آسمان کو کہا گیا کہ کہیں  
 حکم ناطق لکھ گیا کہ لکھیں  
 آتش و آب و باد و خاک نے لی  
 مہر رخشاں کا نام خسرو روز  
 تیری توقیع سلطنت کو بھی  
 کاتب حکم نے بموجب حکم  
 ہے ازل سے روانے آغاز  
 محمد دروازہ خدا کھلا  
 خسرو جسم کے آیات میں  
 وہ بھی تھی اک سیما کی سی نمود  
 ہیں کو اک کچھ نظر آتے ہیں کچھ  
 سطح گردوں پر پڑا تعاریت کو  
 صبح آیا جانب مشرق نظر  
 تھی نظر بندی کیا جب روزِ صبح  
 لاکے ساتی نے صیہوی کے لیے  
 بزم سلطانی ہوئی آراستہ  
 تاجِ زمیں مہر تاباں سے سوا  
 شاہ روشن ال بہادر شہ کہ ہے ۱۰۵  
 لکھ دیا عاشقوں کو دشمن کام  
 گنبد تیز گرد نیلی فام  
 خال کو دانہ اور زلف کو دام  
 وضع سوز و غم و رم و آرام  
 ماوتاباں کا اسم شمعِ شام  
 دی بدستور صورتِ ارقام  
 اُس رستم کو دیا طرزِ دوا  
 ہوا بد تک رسائی انجام  
 مہر عالیاں کا منظر کھلا  
 شب کو تھا گنبدِ بگو کھلا  
 صبح کو رازِ سر و خستہ کھلا  
 دیتے ہیں دھوکا یہ باز کھلا  
 موتیوں کا ہر طرف زیور کھلا  
 اک نگار آتشیں رخسہ کھلا  
 بادہ گل رنگ کا سانپ کھلا  
 رکھ دیا ہے ایک جام زہر کھلا  
 کعبہ امن و امان کا کھلا  
 خسرو آفاق کے منہ پر کھلا  
 روزِ بستی اس پسترا کھلا



وہ کہ جس کی صورت بخورین میں  
 وہ کہ جس کے ناخن تابدیل سے  
 پہلے دار کا بھل آیا ہے نام  
 روشناسوں کی جہاں فرسب ہے  
 تو سن شہ میں ہے وہ خوبی کہ جب  
 نقش پا کی صورت میں وہ لفریب  
 بچھپ فیض تربیت سے شاہ کے  
 لاکھ عقد بے دل میں تھے لیکن ہر ایک  
 تھادل وابستہ فضل بے کلید  
 باغ معنی کی دکھاؤں کا بہار  
 ہو جہاں گرم غزل خوانی نفس  
 گنج میں بیٹھا رہوں یوں پرکھلا  
 ہم پکاریں اور کھلے یوں کون طے  
 ہم کو ہے اس راز داری پرکھنڈ  
 واقعی دل پر بھلا لگتا تھا داغ  
 باقہ سے رکھدی کب ابروئے کہاں  
 مفت کا کس کو بُرا ہے ہرقہ  
 سوز دل کا کیا کرے باران اشک  
 نامے کے ساتھ آگیا پیغام مرگ ۱۶۶  
 رو گیا خط میری چھپاتی پرکھلا  
 مقصد نہ پرچ و ہفت اختر کھلا  
 عقد و احکام پیٹیبہ کھلا  
 اس کے سرنگوں کا دب فتر کھلا  
 وال نکھا ہے چہرہ قصہ کھلا  
 تھان سے وہ غیرت ضرر کھلا  
 ٹوٹے تھناؤ آذر کھلا  
 منصب مہر و مہر و مہر کھلا  
 میری صد دُشع سے باہر کھلا  
 کس نے کھولا کب کھلا کیونکر کھلا  
 مجھ سے گشت و سخن گستر کھلا  
 لوگ جانیں طبلہ عنبر کھلا  
 کاشکے ہوتا نفس کا درکھلا  
 یار کا دروازہ پائیں گرو کھلا  
 دوست کا ہے راز دشمن پرکھلا  
 زخم لیکن داغ سے بہتر کھلا  
 کب کرے غم کے خنجر کھلا  
 رہروی میں پردہ رہب کھلا  
 آگ بھڑکی مینہ اگر دم بھبھ کھلا  
 رو گیا خط میری چھپاتی پرکھلا



دیکھو غالب سے گرا بھاکوئی  
 پھر ہوا مدحت طرازی کا خیال  
 خامے نے پانی طبعیت سے مدد  
 منج سے مدوح کی دیکھے شکوہ  
 مہر کا نیا پسرخ چکر کھا گیا  
 بادشہ کا نام لیتا ہے خطیب  
 سکہ شدہ کا ہوا ہے روشناس  
 شاہ کے آگے دھرا ہے آئندہ  
 ملک کے وارث کو دیکھا غل نے  
 ہو سکے کیا مع ہاں اک نام ہے  
 فکر اچھی پرستائش ناتمام  
 جانتا ہوں ہے خط لوج ازل  
 تم کرو صاحبقرانی جب تک

ہے دل پوشیدہ اور کا فر کھلا  
 پھر مر و غور شہید کا دفتر کھلا  
 بادشاہ کے اٹھتے ہی لنگر کھلا  
 عرض سے یاں تب جو ہر کھلا  
 بادشہ کا رایت لشکر کھلا  
 اب مسلو پایہ منبر کھلا  
 اب عیار آبرو سے زر کھلا  
 اب مال سہمی اسکند کھلا  
 اب فریب طنزل و سنجہ کھلا  
 دفتر مع جہاں داؤد کھلا  
 عجز اجماز ستائش گر کھلا  
 تم پہ اسے خاست نام آور کھلا  
 ہے طلسم روز و شب کا در کھلا

### در صفت انبہ

ہاں دل درد مند زمزمہ ساز  
 کیوں نہ کھولے درخسری نہ راز  
 خار کا صفحہ پر رواں ہونا  
 شاخ گل کا ہے گلنشاں ہونا  
 مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا لکھیے  
 نکتہ دانے خس و فہر لکھیے  
 بارے آموں کا کچھ بیاں ہو جائے  
 خار نخل رطب نشاں ہو جائے



آم کا کون مرد میسہاں ہے  
 تاک کے جی میں کیوں رہے ارماں  
 آم کے آگے پیش جانے خاک  
 نہ چلا جب کسی طسعت معتدور  
 یہ بھی ناچار جی کا کھونا ہے  
 مجھ سے پوچھو تمہیں خبر کیا ہے  
 نخل اُس میں نہ شاخ و برگ نہ بار  
 اور دوڑاٹھے قیاس کہاں  
 جان میں ہوتی گر یہ شیرینی  
 جان دینے میں اُس کو یکتا جان  
 نظر آتا ہے یوں مجھے یہ ثمر  
 آتش گل پہ قند کا ہے قوام  
 یا یہ ہوگا کہ فرطِ رافت سے  
 انجلیں کے بھسکے رب اناس  
 یا لگا کر خضر نے شاخ نبات  
 تب ہوا ہے ثمرِ شاں یہ نخل  
 تھا ترنج زر ایک خسرو پاس  
 آم کو دیکھتا اگر اک بار  
 رونق کار کا و برگ و نوا ۱۰۰  
 ثمر و شل گونے دو چوگن ہے  
 آٹے یہ گونے اور یہ میسہاں  
 پھوڑتا ہے جے پھپھو لے تاک  
 بادشاہ بن گیا انگور  
 شہم سے پانی پانی ہونا ہے  
 آم کے آگے نیشکر کیا ہے  
 بب خزاں آٹے تب ہو اس کی بہار  
 جان شیریں میں پٹھاس کہاں  
 کو ممکن باوجود غنٹ گینی  
 پرودیوں سہل دے نہ سکتا جان  
 کہ دوامنا ازل میں مگر  
 شیرہ کے تار کا ہے ریشہ نام  
 باغبانوں نے باغِ جنت سے  
 بھر کے نیچے ہیں سر بہر گلاس  
 نہ توں تک دیا ہے آبِ حیات  
 ہم کہاں در نہ اور کہاں پھنسل  
 رنگ کا زرد پر کہاں بو باس  
 پھینک دیتا طلائے دست افشار  
 تازہ شبنم دودمان آب و ہوا



تجلیات آتش که در میان کعبه و برهان  
شب که در گدازد بر کبابی که در میان کعبه









رہبر و راہِ خلد کا توش  
 صاحبِ شاخ و برگ و بار ہے آم  
 خاص وہ آم جو نہ ارزاں ہو  
 وہ کہ ہے والی ولایتِ عہد  
 فخر دیں عزیزِ شان و جاوہِ جلال  
 کار فرماں بزمِ دولت و بخت  
 سایہ اُستینِ پادشاہ کا سایہ ہے  
 اے منیر و شہسازِ سایہ و نور  
 اس خند و لبِ بندہ پرور کو  
 شاد و دل شاد و شادمان کیو  
 طوبی و سرور کا جگر گوش  
 ناز پروردہ بہار ہے آم  
 نورِ بخششِ باغِ سلطان ہو  
 عدل سے اُس کے ہے حمایتِ عہد  
 زینتِ طینت و جمالِ کمال  
 چہرہ آرائے تاج و سند و تخت  
 خلق پر وہ خند اکا سایہ ہے  
 جب تک ہے نورِ سایہ و نور  
 وارثِ گنج و تخت و نسر کو  
 اور غالبِ پہرہاں کیو

## قطعات

اے شہنشاہِ فلک منظر ہے مثل و نظیر  
 پاؤں سے تیرے لئے فرقِ ارادت اور نگ  
 تیرا اندازِ سخن شاد ز لعلِ الہام  
 تجھ سے عالم پہ کھلا رابطہِ قربِ کلیم  
 سخنِ اوجِ دو مرتبہ معنی و لفظ  
 تاترے وقت میں ہو عیشِ طرب کی توقیر  
 اے جہاندارِ کرم شیوہ ہے شب و عدیل  
 فرق سے تیرے کرے کب سعادتِ کلیل  
 تیری رفتارِ قلم جنبشِ بالِ حبسِ عدیل  
 تجھ سے دنیا میں بچا مائدہِ بذلِ غلیل  
 بکرمِ دلخیز نہ ناصیہِ قلم و نیل  
 تاترے عہد میں ہو رنجِ عالم کی تسلیل



ماہ نے چھوڑ دیا ثور سے جانا باہر  
 تیری دانش مری اصلاح مفاسد کی رہن  
 تیرا اقبال ترشہ مری بیٹے کی نوید  
 بخت ناساز نے چاکر نہ دے بھکواں  
 پیچھے ڈالی ہے سرشتہ اوقات میں گانٹھ  
 پیش دل نہیں بے رابطہ خوفِ عظیم  
 دُہمینی سے مرا صفحہ لقا کی وارسی  
 فکر میری گہرا اندوہ اشارت کثیر  
 میرے ابہام پہ ہوتی ہے تصدیق توضیح  
 نیک ہوتی مری حالت تو نہ دیتا تحلیف  
 قبلہ کون و مکان خستہ نوازی میں یہ  
 گئے وہ دن کہ نادانستہ غیروں کی وفاداری  
 بس اب بگڑے پکیا شرمندگی جانے دو بل جاؤ  
 کلکتہ کا جو ذکر کیا تو نے ہنشیں  
 وہ ہنر و زار مائے مظر کہ ہے غضب  
 صبر آنا وہ اُن کی نگاہیں کہ ہفت نظر  
 وہ یہ وہ مائے تازہ و شیریں کہ داد داد

زہرہ نے ترک کیا حوت سے کرنا تحویل  
 تیری بخشش مری ابھلاج مقاصد کی کفیل  
 تیرا انداز تغافل مری مرنے کی دلیل  
 چرخ کج باز نے چاکر کرے مجھ کو ذلیل  
 پہلے ٹھوکی ہے بن ناخن تدبیر میں کھیل  
 کشش دم نہیں ہے اہل جبر و جہیل  
 غم گیتی سے مرا سہا . امن کی ذلیل  
 کلک میری رستہ زہر عبارتِ قلیل  
 میرے اہمال سے کرتی ہے تراشِ تفصیل  
 جمع ہوتی مری خاطر تو نہ کرتا تعجیل  
 کبہ امن و امان عقدہ کشائی میں فیضیل  
 کیا کرتے تھے تم تقریر ہم خاموش رہتے تھے  
 قسم لوہم سے گریہ بھی کہیں کیوں ہم نہ کہتے تھے  
 اک تیر میرے سینہ میں مارا کہ لٹے لٹے  
 وہ نازیں بتان خود آرا کہ لٹے لٹے  
 طاقت رُبا وہ اُن کا اشارا کہ لٹے لٹے  
 وہ بادد مائے ناب گوارا کہ لٹے لٹے

### در تعریفِ ڈلی

ہے جو صاحبِ کعبہ دست پہ یہ چکنی ڈلی ۱۴۲  
 زیب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کیئے



غارِ اُگشت بہ مذاں کہ اسے کیا لکھیے  
 مہرِ مکتوبِ عزیزانِ گرامی لکھیے  
 ہسی آلودہ اُگشتِ حسناں لکھیے  
 خاتمِ دستِ سیماں کے مشابہ لکھیے  
 اخترِ سوختہ قیاس سے نسبت دیجے  
 نجرِ الاسود و یوارحِ سرمیہ کی فرض  
 وضع میں اس کو اگر سمیچھے قافِ تریاق  
 صومے میں اسے ٹھہرائیے گر مہرِ ناز  
 کیوں اسے قفلِ درجہ کی محبت لکھیے  
 کیوں اسے گوہرِ نایاب تصور کیجے  
 کیوں اسے تکرہ پیرا ہن لیس لکھیے  
 بندہ پرور کے کعبہ دست کو دل کیے فرض  
 نہ پوچھ اس کی حقیقت حضور والا نے  
 نہ کھاتے گیہوں بھکتے نہ خند سے باہر

### سہرا

خوش ہوا ہے بخت کہ ہے آج ترے سہرا  
 کیا ہی اس چاند سے کھڑے پہچا لگتا ہے  
 سر پہ چرخا تجھے پہنتا ہے پرے طرفِ کھاد  
 ناؤ بھر رہی پردے گئے ہونگے موتی  
 بانہ شہزادہ ہواں بخت کے سر پہ سہرا  
 ہے ترے حسنِ دلِ ہنسِ روزِ کارِ سہرا  
 تجھ کو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا لمبر سہرا  
 در نہ کیوں لانے ہیں گشتی میں لگا کر سہرا



سات دریا کے فراہم کیئے ہوئے موتی  
مُخ پہ دو لہا کے جو گرمی سے پسینہ ٹپکا  
یہ بھی اک بے ادبی تھی کہ قبائے بڑھ جائے  
جی میں اترائیں نہ موتی کہ ہمیں میں اک چیز  
جبکہ اپنے میں سادیں نہ خوشی کے مارے  
مُخ روشن کی دمک گوہر غلطاں کی چمک  
تار ریشم کا نہیں ہے یہ رگ ابر بہار  
ہم سخن فہم ہیں غالب کے طرفدار نہیں  
منظور ہے گزارشیں احوال واقعی  
سو پست سے ہے پیشہ آبا سپہ گری  
آزادہ زوہوں اور مرا مسلک ہے صلح کل  
کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں  
اُستادش سے ہوں مجھے پر خاش کا خیال  
جام جہاں نا ہے شہنشاہ کا ضمیر  
میں کون اور ریحۃ ہاں اس سے مدعا  
سہرا لکھا گیا زردہ امتثال امر  
مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات  
رُوی سخن کسی کی طرف ہو تو رُویا  
قسمت بری سی پہ طبیعت بری نہیں ۱۶۶  
تہ بنا ہوگا اس انداز کا گز بھر سہرا  
ہے رگ ابر گہر بار سہرا سہرا  
رہ گیا آن کے دامن کے برابر سہرا  
چاہیئے پھولوں کا بھی ایک کمر سہرا  
گو نہ ہے پھولوں کا بھلا پھر کوئی کیونکر سہرا  
کیوں نہ دکھلائے فردغ سے و آخر سہرا  
لائیکا تاب گرا نباری گوہر سہرا  
دیکھیں اس سرے سے کدے کوئی بہتر سہرا  
اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے  
کچھ شاعری ذریعہ عزت نہیں مجھے  
ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے  
مانا کہ جاہ و منصب و ثروت نہیں مجھے  
یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے  
سو گند اور گواہ کی حاجت نہیں مجھے  
جز انبساط خاطر حضرت نہیں مجھے  
دیکھا کہ چارہ غیر اطاعت نہیں مجھے  
مقصود اس سے قطع محبت نہیں مجھے  
سودا نہیں جنوں نہیں وحشت نہیں مجھے  
ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے



صادق ہوں اپنے قول میں غالب خدا گواہ

کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

ملح

نصرت اللہ بھادر مجھے بتلا کہ مجھے  
گرچہ تو وہ ہے کہ ہنگامہ اگر گرم کرے  
اور میں وہ ہوں کہ گرمی میں کبھی غور کروں  
خستگی کا ہو بھلا جس کے سبب سے ہر دست  
ہاتھ میں تیرے ہے تو سن دولت کی عناں  
تو سکندر رہے مرا فخر ہے ملتا تیرا  
اُس پہ گزرے نگماں ریو و ریا کا زناہ  
ہے چار شنبہ آخر ماہ صفر چلو  
جو آئے جام بھر کے پیئے اور ہو کے ست  
بٹے ہیں ہونے روپے کے چھلے حضور میں  
یوں سمجھے کہ بیچ سے خالی کیئے ہوئے  
غالب یہ کیا بیاں ہے بجز سچ باہشاہ  
تجھ سے جو اتنی ارادت ہے تو کس بات سے ہے  
دو فقی بزمِ مہینہ تری ذات سے ہے  
غیر کیا خود مجھے نفرت مری اوقات سے ہے  
نسبت اک گونہ مرے دل کو تجھے بات سے ہے  
یہ دعا شامِ ہمسرہ قاضی حاجات سے ہے  
گو شرفِ خضر کی بھی مجھ کو ملاقات سے ہے  
غالب خاک نشیں اہل خرابات سے ہے  
رکھ دیں چین میں بھر کے منے مشکبو کی ناند  
ہنرے کو نہ نہتا پھرے پھولوں کو جائے پھاند  
ہے جن کے آگے سیم و زرِ مہر و ماہ ماند  
لاکھوں ہی آفتاب ہیں اور میثار چاند  
بھاتی نہیں ہے اب مجھے کوئی نوشت خواند

درمچ شاہ

اے شاہِ جہانگیر جہاں بخش جانا دار  
جو عقدہ دھوا کر کوشش سے نہ وا ہو  
مکن ہے کہ خضر سکندر سے ترا ذکر  
گر لب کو نہ لے چہرہ جیواں سے طہارت



ہے فخر سیماں جو کرے تیری وزارت	آصف کو سیماں کی وزارت سے شرف تھا
ہے داغ غلامی ترا تو قیچ امارت	ہے نقش مریدی ترا فسربان الہی
تو آگ سے گردن کرے تاب شرارت	تو آب سے گریب کرے طاقت سیلاں
باقی نہ ہے آتش سوزاں میں حرارت	دھنڈھے نہ ملے موج دریا میں روانی
ہے گرچ مجھے سحر طرازی میں مهارت	ہے گرچ مجھے نکتہ سرائی میں شغل
قاصر ہے شکایت میں ہی میری عبارت	کیونکر نہ کروں مع کو میں ختم دعا پر
نظار کی صنعت حق اہل بصارت	نوروز ہے آج اور وہ دن اگر ہوئے میں
غالب کو ترے قہر عالی کی زیارت	تجھ کو شرف مہر جہاں تاب مبارک
اُس شخص کو ضرور ہے روزہ رکھا کرے	افطار صوم کی کچھ اگر دست گاہ ہو
روزہ اگر نہ کھائے تو ناچار کیا کرے	جس پاس روزہ کھول کے کھانے کو کچھ نہ ہو

### گزارشِ مُصنّف بحضورِ شاہ

اے جہاندار آفتاب آثار	اے شہنشاہ آسماں اور رنگ
تھامیں اک درد مند سینہ نگار	تھامیں اک بینوائے گوشہ نشین
ہوئی میسری وہ گرمی بازار	تم نے مجھ کو جو آبرو بخشی
روشنائیں ثوابت و سیار	کہ ہوا مجھ سے ذرہ ناچیز
ہوں خود اپنی نظر میں اتنا خوار	گرچہ از روئے ننگ بے ہنری
جاتا ہوں کہ آئے خاک کو مار	کہ گر اپنے کو میں کموں خاکی
بادشہ کا سلام کار گزار	شاد ہوں لیکن اپنے جی میں کہ ہوں ۱۰۰



خانہ زاد اور مرید اور مداح  
 بارے نوکر بھی ہو گیا صد شکر  
 نہ کہوں آپے تو کس سے کہوں  
 پیر و مرشد اگرچہ مجھ کو نہیں  
 کچھ تو جاڑے میں چاہئے آخر  
 کیوں نہ درکار ہو مجھے پوشش  
 کچھ خرید انہیں ہے اب کے سال  
 رات کو آگ اور دن کو دھوپ  
 آگ تاپے کہاں تک انسان  
 دھوپ کی تابش آگ کی گرمی  
 میری تنخواہ جو مفت تر رہے  
 رسم ہے مردہ کی چھ ماہی ایک  
 مجھ کو دیکھو تو ہوں بقید حیات  
 بسک لیتا ہوں ہر مہینے قرض  
 میری تنخواہ میں ہتھائی کا  
 آج مجھ سا نہیں زمانے میں  
 رزم کی داستان اگر سینے  
 بزم کا التزام گر کیجے  
 ظلم ہے گردن دو سخن کی داد ۱۴۹  
 تھا ہمیشہ سے یہ عریض نگار  
 نسبتیں ہو گئیں مشغص چار  
 مدعاے ضروری الاظہار  
 ذوق آرایش سر و دستار  
 تانہ دے باد زمزمیر آزار  
 جسم رکھتا ہوں ہے اگرچہ نزار  
 کچھ بنایا نہیں ہے ابکی بار  
 بھاڑ میں جائیں ایسے بیل و نہار  
 دھوپ کھاوے کہاں تک جاندار  
 وقار تبنا عذاب النار  
 اُس کے ملنے کا ہے عجب ہنغار  
 خلق کا ہے اسی چلن پر مدار  
 اور چھ ماہی ہوسال میں دوبار  
 اور رہتی ہے سود کی تکرار  
 ہو گیا ہے شریک سا ہو کار  
 شاعر نغز گوے خوش گفتار  
 ہے زباں میری تیغ جو ہر دار  
 ہے قلم میرا ابر کو ہر بار  
 قلم ہے گردن دو سخن کی داد ۱۴۹  
 قلم ہے گردن دو سخن کی داد ۱۴۹



آپ کا بندہ اور پھروں نگا  
 آپ کا نوکر اور کھاؤں ادھار  
 میری تنخواہ کیجئے ماہ بہ ماہ  
 تانا ہو مجھ کو زندگی دشوار  
 ختم کرتا ہوں اب دعا پہ کلام  
 شاعری سے نہیں مجھے سروکار  
 تم سلامت رہو سزا برس  
 جبر برس کے ہوں دن پچاس ہزار  
 یہ گلیم ہوں لازم ہے میرا نام نہ لے  
 جہاں میں جو کوئی فتح و ظفر کا طالب ہے  
 ہوا نہ غلبہ شستر کبھی کسی پہ مجھے  
 کہ جو شریک ہو میرا شریک غالب ہے  
 سنل تھا سہل ولے یہ سخت مشکل آپڑی  
 مجھ کیا گزریگی اتنے روز حاضر بن ہوئے  
 تین دن سہل سے پہلے تین دن سہل کے بعد  
 تین سہل تین تبریں یہ سب گئے دن ہوئے  
 فحشتہ انجمن طوئے میرزا جعفر  
 کہ جس کے دیکھے سے سبکا ہوا ہے جی محفوظ  
 ہوئی ہے ایسے ہی فرزندہ سال میں غالب  
 نہ کیوں ہو مادہ سال عیسوی محفوظ  
 ہوئی جب میرزا جعفر کی شادی  
 ہوا بزم طرب میں رقص ناہید  
 کما غالب کا تاریخ اس کی کیا ہے  
 تو بولا رائیضہ شمع جشن جمشید  
 گو ایک بادشاہ کے سب خانہ زاد ہیں  
 دربار دار لوگ ہم آشنا نہیں  
 کانوں پہ ہاتھ دھرتے ہیں کرتے ہوئے سلام  
 اس سے ہے مراد کہ ہم آشنا نہیں

## رُبَاعِیَّات

بعد از اتمام بزم عید اطفال  
 ایام جوانی رہے ساغر کش حال  
 آتھنے میں تا سواد استلیم عدم  
 اے عمر گزشتہ یک قدم استقبال







دھند سے تپتا ہے آس کی آس آس کو ہی  
جس کی صدا ہو بلبلوں پر قی فناء ہے





شب زلفت و مرغ عرق نشان کا غم تھا  
 رو یا میں ہزار آنکھ سے صبح تک  
 آتش بازی ہے جیسے شغل اطفال  
 تھا موجد عشق بھی قیامت کوئی  
 دل تھا کہ جو جان در در تمہید سی  
 ہم اور ضرور اے تجلی افروز  
 ہے خلق حسد قماش لڑنے کے لیے  
 یعنی ہر بار صورت کا غنہ باد  
 دل سخت نثر نہ ہو گیا ہے گویا  
 پر یار کے آگے بول سکتے ہی نہیں  
 دکھ جی کے پسند ہو گیا ہے غالب  
 وائے کہ شب کو نیند آتی ہی نہیں  
 مشکل ہے زبں کلام میرا اے دل  
 آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمایش  
 بھیجی ہے جو مجھ کو شاہِ مجاہد نے دال  
 یہ شاہ پسند دال بے بحث و جدال  
 ہیں شہ میں صفاتِ ذوالجلالی باہم  
 ہوں شاد نہ کیوں مافلِ عالی باہم  
 حق شہ کی بقا سے خلق کو شاد کرے  
 ۱۸۵ تا شاہ شیوع دانش و داد کرے  
 کیا شج کر دوں کطر فتر عالم تھا  
 ہر قطرہ اشک دیدہ پُر غم تھا  
 ہے سوزِ جگر کا بھی اسی طور کا حال  
 لڑکوں کے لیے گیا ہے کیا کھیل کمال  
 بیتابی رشک و حسرت دیدہ سی  
 تکرارِ ردا نہیں تو تجہدِ دیدہ سی  
 وحشت کدہ تلاش لڑنے کے لیے  
 ملتے ہیں یہ ہمعاش لڑنے کے لیے  
 اُس سے گلہ مند ہو گیا ہے گویا  
 غالب مُنہ بند ہو گیا ہے گویا  
 دل رُک رُک کر بند ہو گیا ہے غالب  
 سونا سو گند ہو گیا ہے غالب  
 سُن سُن کے اُسے سخنورانِ کامل  
 گویم مشکل و گر نہ گویم مشکل  
 ہے لطف و عنایاتِ شہنشاہِ پڑال  
 ہے دولت و دین و دانش و داد کی دال  
 آنا جلالی و جمالی باہم  
 ہے اہکے شب قدر و دوالی باہم



یہ وہی جو گئی ہے رشتہ، عمر میں گانٹھ  
 اس رشتہ میں لاکھ تاروں بلکہ سوا  
 ہر سیکڑہ کو ایک گرد و غرض کریں  
 کہتے ہیں کہ اب وہ مردم ناز نہیں  
 جو ہاتھ کو ظلم سے اٹھایا ہو گا  
 ہم گرچہ بنے سلام کرنے والے  
 کہتے ہیں کہیں خدا سے اللہ اللہ  
 سامانِ نور و خواب کہاں سے لاؤں  
 روزہ مرا ایمان ہے غالب لیکن  
 ان سیم کے بچوں کو کوئی کیا جانے  
 گن کر دیویں گے ہم دعائیں سوار ۱۸۹  
 ہے صفر کہ افزائش اعداد کرے  
 اتنے ہی برس شمار ہوں بلکہ سوا  
 ایسی گرہیں ہستہ زار ہوں بلکہ سوا  
 عشاق کی پریشانی سے اُسے عارضیں  
 کیونکر مانوں کہ اُس میں تلوار نہیں  
 کرتے ہیں درنگ کام کرنے والے  
 وہ آپ ہیں صبح و شام کرنے والے  
 آرام کے اسباب کہاں سے لاؤں  
 خن خانہ و برفاب کہاں سے لاؤں  
 بھیجے ہیں جوارِ مفاہ شہر والا نے  
 فیروزہ کی تسبیح کے ہیں یہ دانے



مکتبہ کاتب (مستوطن قصبہ آسیون ضلع اوٹاؤ - اودھ) مقیم لاہور







## انتخاب

ممکن نہیں کہ بھول کے بھی آزیں وہ ہوں  
 میں دشتِ ظہم میں آہوئے صیاد دیدہ ہوں  
 ہوں درویشِ حیر ہو یا اختیار ہو  
 گو مالِ کشیدہ گر اشکِ چشمِ دیدہ ہوں  
 یہ نہیں ہے اہلِ سنگ و تاجِ جستجو  
 مانند موجِ آبِ زبانِ بریدہ ہوں  
 جاں لب پہ آئی تو بھی نہ شیریںِ دہن  
 از بسکہ تمہی عنسِ جہزِ چشمِ دیدہ ہوں  
 نے مجھ سے علاقہ نے ساغرِ واسطہ  
 میں معرضِ مثال میں ست بریدہ ہوں  
 ہوں خاکسار پر یکسی سے ہے جھکناؤں  
 نے دانہ فقادہ ہوں نئے امید ہوں  
 اہلِ دمع کے حلقہ میں ہر جذبہ ہوں فہیل  
 پر عالمیوں کے زمرہ میں نہیں برگزیدہ ہوں  
 ہرگز کسی کے دل میں نہیں ہے مری جگہ  
 یعنی کلامِ لغزوئے ناشنیدہ ہوں  
 ہوں گرمیِ نشاطِ تصور سے نغمہ سنج  
 میں غنایبِ گلشنِ نا افسردہ ہوں

تماشا گشتِ تماشا نے چہ ن  
 بہارِ آفسریا گشتِ آفسریا  
 اسدِ شکوہ کفر و دہانا پاشی  
 دھرمِ تماشا سے ناچار ہیں ہم

ہے آؤنی بجائے خوارکِ عمرِ خیال  
 ہم آہن جگتے ہیں نعمتِ بی کیوں نہ ہو  
 جگتے زخمی ہوتے ہیں جگتے ہے نفسِ حال  
 حاصل نہ کیجئے دھرم سے عبرتِ بی کیوں نہ ہو

میں چشمِ اشک و گلشنِ نظرِ عزیز  
 یکرینِ جہت کہ شہنشاہِ شہید ہیں  
 پانی سے گسکِ لہیزہ زہرے جلی کس  
 دوتا ہوا آئینہ سے کورمِ گرمِ لہیزہ ہوں



کمال بنیادی کی ہے رہیں آزادی  
زور سے شہتِ حسن و خیار آشیان فریاد  
جواب سنگدلیاے دشمنان بہشت  
زور سے شہتِ دلہاے دوستان فریاد

ہم غلط تھے لیکن زخمِ دل پر کس  
آخراں پر دے میں آہستی بھی لے صبحِ صبا  
شکوہ درد و داغ لے بوجھِ غمِ درد  
خونِ ہمائے جس امید ہے تیرا خیال

فریبِ محبتِ ایمان کا تاساں دیکھ  
ہنگامِ عکسِ روش و خیال آئینہ ساز  
جو ہم فکر سے دلِ شکر میں لرزے ہے  
کوششِ نازک و مہیا لے آئینہ ساز

شکوہ و شکر کو شمر ہم و امید کا سمجھ  
خاندانِ آگہی خراب دل نہ سمجھ جا سمجھ  
دشمن و دوست کی بے اثر اس قدر نہیں  
رشتہ عمرِ خضر کو نالہ نارسا سمجھ  
گاہ بہ غلہ امید و ارگہ بہ غمِ ہم ناک  
گرچہ خدا کی یاد ہے کلفتِ ماسوا سمجھ  
اے بہ سراپِ حسنِ خلق تشنہِ معنی امتحان  
شوق کو منفعل نہ کر ناز کو التجا سمجھ  
نے سرورِ برگِ آرزو نے رو در ہم گفتگو  
لے دل جانِ خلق تو ہم کو بھی آشنا سمجھ

میں ہوں شتاقِ جفا مجھ پہ جفا اور سی  
تم ہو بیداد سے خوش اس سے ہوا اور سی  
تم ہو بہت چہرے میں پیدا خدائی کیوں ہے  
تم خداوند ہی کہلاؤ حسد اور سی  
کیوں نہ فردوس میں دوزخ کو بلا لیں یا رب  
سیر کے واسطے قہوڑی سی فضا اور سی

عرضِ ہر شک پر ہے فضاے زما رنگ  
صحرایاں کہ دعوتِ دریا کرے کوئی



ابر روتا ہے کہ بزمِ طرب آمادہ کرو  
برقِ ہفتی ہے کہ فرصت کوئی دم ہے ہم کو

ہے جہاں فکر کشیدہ شنائے نقشِ روئے یار  
ماہتابِ مالہ پیرا گردہ تصویر ہے

منظرِ اک بندہ پر اور ہم بنا سکتے  
کاش کہ ادھر ہوتا عرش سے مکاں اپنا

بندگی میں بھی وہ آزادہ و خود ہیں کہ ہم  
اٹے پھر آئے دیکھ بے اگر دانہ ہوا

نفس نہ انجمنِ آرزو سے باہر کھینچ  
اگر شراب نہیں اختارِ ساغر کھینچ

دامِ ہر موج میں ہے حلقہٴ صد کامِ تنگ  
دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہوئے تنگ

جو تھا سو موجِ رنگ کے دھوکے میں مر گیا  
اے دوائے نالہ لبِ خونیں نواے گل

گل کھلے غنچے چکنے لگے اور صبح ہوئی  
سرخوشِ خواب ہے وہ زگرِ سرِ مخمور ہنوز

اڑ کے جاتا کہاں کہ تاروں کا  
آسمان نے بچھا رکھا تھا دام  
جہاں تشا کا دوسرا قدم یار  
ہم نے دشتِ مکاں کو کیا نقشِ پا پایا

یار ہیں تو خوابِ یار بھی مست و کھٹو  
یہ شہرِ خیال کو دنیا کہیں جیتے  
نماں ہے کہ جو تصورِ خدِ شامی میں  
کیاں تو اس جہاں آئینہ دریا ہے

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب  
آؤ نہ ہم بھی سسیر کریں کوہِ طور کی  
گو دیاں نہیں یہ دیاں کے کھالے ہوئے تو ہیں  
کہے سے ان تیروں کو بھی نسبت ہے دور کی



بس نجوم نائیدی خاک میں مل جائیگی  
یہ خاک لذت ہماری سبب حاصل میں ہے  
وفا کسی کماں کا عشق جب سر پھڑنا ٹھہرا  
تو پھر اسے شکل تیرا ہی شکل تاساں کیوں ہو

زلف خیال نازک و اعلیٰ ریختہ  
یارب بیان شش ز کیش گنگو نہ ہو  
و دزدہ ہم میں کہیں دشناس خلق لے خضر  
نہ تم کہ چرے عمر جاوداں کے لئے

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے  
نار پا بستہ نے نہیں ہے  
تم ہو یا ملا ہو جو کچھ ہو  
کاش کہ تم ہرے لئے ہوتے

ساغر جلوہ سرشار ہے ہر ذوق خاک  
شوق دیدار بلا آئینہ سامان نکلا

اسد یہ مجزو ہے سامانی فرعون تو ام ہے  
جسے تو بندگی کتا ہے دعویٰ ہے خدائی کا

خبر نگہ کو نگہ چشم کو عدو جانے  
وہ جلوہ کر کہ زمین جانوں اور نہ تو جانے

دو نوجہان دے کے وہ سمجھے یہ خوش رہا  
یاں آپڑی یہ شہرم کہ کمرہ کیا کریں

یک گام بخودی سے لوئیں بہار صحر  
آغوش نقش پا میں کیجئے فشار صحر

ربط یک شیراز و دشت ہیں اجزاء ہمار  
بہرہ بیگانہ - صبا آوارہ - محل نا آشنا

چاک مت کر بیب بے ایام محل  
کچھ ادھر کا بھی اشارہ چاہئے

بت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی  
دواک نگہ کہ بظاہر نگاہ سے کم ہے









